مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ
الامداد
لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۰ | ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ | دسمبر ۲۰۱۹ء | شمارہ ۱۲

اوج قنوج
تحصیل رفعت کا طریقہ

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے
زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

اوج قنوج
(تحصیل رفعت کا طریقہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا یہ وعظ تواضع کی حقیقت ضرورت اور فوائد کے متعلق قنوج کی جامع مسجد میں ۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بروز جمعۃ المبارک کو ہوا ۲ گھنٹے ۲۲ منٹ میں ختم ہوا۔ حکیم محمد مصطفی صاحب مقیم میرٹھ نے قلمبند کیا۔

اس وعظ میں حضرت نے تکبر کی برائی اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی تکبر کی مختلف صورتیں ذکر کر کے اس کا علاج اللہ کے لیے تواضع اختیار کرنے کو بتایا اور بتایا کہ جب لوگ تواضع اختیار کریں گے تو اللہ بلندی ورفعت عطا فرمائیں گے۔ قنوج شہر چونکہ پستی کا شکار تھا اس لیے اس مناسبت سے وعظ کا نام اوج قنوج رکھدیا کہ تواضع اختیار کرلو پھر بلندی ورفعت حاصل ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

فقط خلیل احمد تھانوی

۲ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ/ ۲ ستمبر ۲۰۱۹ء

اوج قنوج
(تحصیل رفعت کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	کبر اور اس کا علاج	۸
۳	امید اور خوف	۹
۴	توفیق اور سلب کا اختیار	۱۰
۵	حق تعالیٰ کی عظمت	۱۲
۶	امثال عبرت	۱۳
۷	علم پر ناز	۱۵
۸	انسان کی اصلیت	۱۶
۹	امام کی خصوصیات	۱۷
۱۰	حاکم کی اطاعت	۱۹
۱۱	حکمت اور مصلحت	۲۰
۱۲	تدابیر نجات	۲۱
۱۳	تفکر کی ضرورت	۲۳
۱۴	ایک حقیقت	۲۵
۱۵	فیشن پرستی	۲۶
۱۶	بے حسی کی انتہا	۲۷
۱۷	غصہ کے نقصانات	۲۹
۱۸	عفو و درگزر	۳۰

۱۹	بچوں پر ظلم	۳۲
۲۰	تکبر کی صورتیں	۳۳
۲۱	حب اور بغض	۳۵
۲۲	اللہ کی محبت	۳۷
۲۳	اثر محبت	۴۰
۲۴	آثار محبت	۴۲
۲۵	اہل اللہ کی محبت کے ثمرات	۴۴
۲۶	اہل اللہ کی رشتہ داروں سے محبت	۴۴
۲۷	تواضع	۴۶
۲۸	تواضع کی حقیقت	۴۶
۲۹	آج کل کا دستور	۴۸
۳۰	صحبت بزرگان	۵۰
۳۱	انداز تربیت	۵۱
۳۲	حقانیت اسلام	۵۲
۳۳	مولانا مظفر حسین کی تواضع	۵۴
۳۴	عزت کی قیمت	۵۵
۳۵	خدا کا حق	۵۷
۳۶	تدابیر اصلاح	۶۰
۳۷	خلاصہ وعظ	۶۳
۳۸	تفریح برگندہ دہنی	۶۵
۳۹	اخبار الجامعہ	۷۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد:فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم (فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مَنۡ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ)(۱)

تمہید

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع (۲) اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ رفعت وبلندی عطا فرماتا ہے میرا ارادہ بیان وعظ کا نہ تھا اس سفر میں کئی جگہ فرمائش کی گئی ہے مگر جواب نفی میں دیا گیا یہ سفر اسی ضرورت سے کیا ہے کہ طبیعت عرصہ سے مضمحل ہے (۳)، وطن میں رہ کر فراغ ملنا مشکل تھا اس واسطے یہ سفر کیا تاکہ کاموں سے فراغ رہے اور راحت ملے اور وعظ کہنے میں تعب ہوتا ہے جو مقصود سفر کے خلاف ہے مگر مجھے پہلے سے احتمال تھا کہ قنوج میں ضرور استدعا (۴) کی جائے گی لیکن غالب یہی ارادہ تھا کہ بیان نہ کروں گا۔ جیسا اس سفر میں اور کہیں بھی بیان نہیں ہوا اور رات نیند بھی خراب رہی اس وجہ سے بھی طبیعت مضمحل ہے (۵) پھر کوئی مضمون بھی ذہن میں حاضر نہ تھا یہ تو عذر تھا مگر میرے بھائی اختر نے لوگوں کی طرف سے خواہش ظاہر کی اور درخواست اس طرح کی گئی کہ اگر طبیعت متحمل ہوسکے تو کچھ بیان ہوجاوے۔ نیز مقدار وقت کو میری رائے پر چھوڑ دیا گیا، اس گنجائش دینے نے زیادہ اثر

(۱) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں“ (۲) عاجزی (۳) کمزور (۴) درخواست (۵) طبیعت میں کمزوری ہے

کیا اس کے بعد یہ حدیث دفعۃً قلب پر وارد ہوئی شاید منظور خدا ہو جو مضمون بے ساختہ آ گیا اور شاید وہ مضمون یہاں کے مناسب ہو۔

کبر اور اس کا علاج

یہ حدیث چھوٹی سی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بڑی تعلیم ترغیب کے عنوان سے ارشاد فرمائی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو حق تعالیٰ رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ یہ مضمون ایسا ہے کہ یہاں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔ یہ جگہ بھی اس کے مواقع میں سے سہی عام ضرورت اس کی یہ ہے کہ وہ امراض جو انسان سے تعلق رکھتے ہیں بہت ہیں ان سب کا بیان تفصیل کے ساتھ اس وقت تو نہیں ہوسکتا اس لیے ایک وہ مرض جو اکثر دیگر امراض کی جڑ ہے اور لوگوں میں غالب بھی ہے (۱) بیان کے لیے اختیار کیا گیا۔ اسی کا بیان اس حدیث میں ہے، وہ مرض کبر ہے جو عام طور پر سے اکثر طبیعتوں میں مرکوز ہے شاید ہی کوئی اس سے خالی ہو، ہر انسان میں اس کا مادہ اور اکثر میں اس کا اثر بھی موجود ہے کوئی عقل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کوئی تمول (۲) میں اور کوئی حسن میں غرض کوئی طبیعت اس سے مستثنیٰ نہیں۔ دنیاداروں کی تو کیا شکایات دیندار بھی اس سے خالی نہیں کوئی علم میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کوئی عمل میں اکثر اہل علم کو دیکھ لیجئے کہ وہ عوام کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی عام آدمی راستے میں مل جاوے تو خود تو یہ اس کو کیا سلام کریں گے اور اگر وہ سلام کرے تو بعض اوقات جواب بھی نہیں دیتے اس کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بڑا اور اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور بعض کا جہل تو ایسا مرکب ہے کہ اپنی اس نامعقول حرکت پر قرآن وحدیث سے شہادت لاتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳) جس کے معنی یہ ہیں کہ عالم اور غیر عالم برابر نہیں اور احادیث میں جا بجا علماء کی فضیلت آئی ہے اور فضیلت کے معنی یہ ہیں جو کہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہو تو قرآن

(۱) اکثر لوگوں میں پایا جاتا ہے (۲) مال و دولت میں (۳) سورۃ الزمر: ۹

وحدیث سے جاہلوں کا چھوٹا ہونا اور ہمارا بڑا ہونا ثابت ہوگیا۔ پھر اگر ہم اپنے آپ کو بڑا سمجھیں تو کیا بے جا ہے۔ یہ ثبوت ہیں ان کے خیال خام کے ان لوگوں نے وہ آیتیں نہیں دیکھیں جن میں عالم بے عمل کی مذمت آئی ہے۔ مثلاً آیت: ۔وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ علم کے ساتھ بھی گمراہ ہیں اور احادیث میں تو بالتصریح ایسے علماء کی سخت مذمت اور ان کی سخت وعید موجود ہے جو عالم ہو کر عمل نہیں کرتے ایسی حدیثیں بہت اور ہر حدیث کی کتاب میں موجود ہیں پس جب کہ اس میں بدترین عمل موجود ہے جس کا نام تکبر ہے تو یہ عالم بے عمل کے مصداق ہوئے اور ان وعیدوں اور مذمتوں کے مورد ہوئے جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں پھر کس بات پر پھولے ہوئے ہیں قطع نظر اس کے جن عوام کو یہ حقیر سمجھتے ہیں کیا معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ ان کے ساتھ کیا ہے

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (۲)

ممکن ہے خدا تعالیٰ ان کو تم سے بھی اچھی حالت میں پہنچادیں اور ممکن ہے کہ تم کو مردود کردیں اور ان کو مقبول بنالیں، خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں، کیا خبر تمہارا خاتمہ کیسے ہو اور ان کا خاتمہ کیسا ہو۔

امید اور خوف

بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی قاعدہ قانون نہیں ہے یہ تو بالکل اندھیر ہے کہ کوئی اعمال صالحہ کرتا ہو اور مومن ہو اور باوجود اس کے اس اندیشہ میں رہے کہ جانے عنداللہ مقبول ہوں یا مردود اس کے تو معنی ہوئے کہ ایمان اور اعمال صالحہ بیکار چیز ہیں، کیونکہ اس کے بعد بھی نتیجہ یہی کہ ہر وقت یہ خوف لگا ہوا ہے۔

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (۳)

یہاں تک کہ یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس طرف ہے اسی طرح

(۱) ''اللہ تعالیٰ نے اس کو باوجود علم کے گمراہ کردیا'' سورۃ الجاثیہ: ۲۳ (۲) ''یار کس کو چاہتا ہے اور میلان اس کا کس طرف ہوتا ہے'' (۳) ''یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس کی طرف ہوتا ہے''

بداعمالیوں میں کچھ حرج نہیں کیونکہ بداعمالی کرنے والا بھی امید کرسکتا ہے تا یار کراخواہد ومیلش بکہ باشد۔ یہاں تک کہ یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس طرف ہوجائے اس طرح تو دین کا کارخانہ ہی سب درہم برہم ہوجاتا ہے نہ وعدہ کوئی رہا نہ وعید۔ اور یہ بات نصوص(۱) کے بھی بالکل خلاف ہے۔ وَعْدَاللّٰہِ ط لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ (۲) وغیرہ سینکڑوں آیتیں موجود ہیں جو دونوں طرف سے یقین دلانے والی ہیں نیک اعمال کرنے والے کے لیے جنت کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا اور عصاۃ(۳) وکفار کے لیے جہنم کی وعید ہے جو خلاف نہیں ہوگی پھر اس کے کیا معنی کہ نیک اعمال کرکے بھی اس اندیشہ میں رہو۔ تا یار کراخواہد ومیلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس طرف ہوجاتا ہے) اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قانون خداوندی میں کچھ اندھیر نہیں۔ مگر تم نے اس میں غور نہیں کیا۔ جن آیتوں میں ایمان وعمل صالح پر وعدہ ہے اس میں شرط یہ ہے کہ ایمان وعمل صالح موت تک مستمر رہے چنانچہ حدیث میں ہے: ''الاعمال بالخواتیم''(۴) اور جن آیتوں میں کفر ومعصیت پر وعید ہے اس میں بھی یہی شرط ہے کہ اسی حالت میں موت ہو تب وعید ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (۵) پس قاعدہ تو یہی ہے کہ کسی پر میلان جو میلش باشد میں مذکور ہے۔ بلاوجہ نہیں ہوتا بلکہ اعمال کی وجہ سے میلان ہوتا ہے اعمال صالحہ پر میلان رحمت کے ساتھ ہوتا ہے اور بداعمالیوں پر قہر(۶) کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی حاصل ہے ان نصوص کا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے لیے اعتقاد رکھنا چاہیے جنت کا اور کافر کے لیے اعتقاد رکھنا چاہیے دوزخ کا۔

توفیق اور سلب کا اختیار

یہ بات تو یقینی ہے کہ عمل صالح پر نتیجہ اچھا مرتب ہوگا، برا نتیجہ نہ ہوگا

(۱) قرآن وحدیث (۲) ''اللہ کا وعدہ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے'' (۳) گناہگار (۴) ''اعمال کا دارومدار خاتموں پر ہے'' اتحاف السادۃ المتقین للزبیدی: ۹/۲۰۵، میزان الاعتدال: ۸۲۳ (۵) ''پھر کافر ہونے کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں'' سورۃ البقرۃ: ۲۱۷ (۶) عذاب کے ساتھ

اور بداعمالی پر نتیجہ برا مرتب ہوگا، اچھا مرتب نہ ہوگا لیکن ایمان وعمل صالح استمرار ودوام الی الموت کی ایک شرط ایسی ہے جو کمر توڑ دینے والی ہے کیونکہ عمل نیک اور عمل بد گو آپ کے ارادہ پر ہے اور یہی مدار تکلیف ہے لیکن ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اس پر قادر ہیں کہ ایک ایسے شخص کو جو آج کافر ہے کل کو ایسا مومن کامل کردیں کہ غوث وقطب ہوجائے اور ایک غوث اور قطب کو دم بھر میں ایسا کافر کردیں کہ شیطان سے بھی بدتر ہوجائے، خود شیطان ہی کی حالت آپ کو معلوم ہوجائے کہ داخل ملائکہ تھا (مگر حق تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف تھا) اور وہ ذرا دیر میں ظہور میں آ گیا لیکن اس سے اعمال کا بیکار ہونا یا قدرت سے خارج ہونا لازم نہیں آیا کیونکہ وہ کافر کفر کی حالت میں مقبول نہیں ہوا بلکہ توفیق ایمان کے بعد مقبول ہوا اور توفیق کے بعد اس کا صدور اختیار سے ہوا(۱) اور وہ غوث وقطب ایمان وعمل صالح کی حالت میں مردود نہیں ہوا بلکہ سلب ایمان وسلب اعمال (۲) کے بعد مردود ہوا اور خذلان کے بعد اس سلب کا صدور اختیار سے ہوا۔ پس یہ بات یقینی ہے کہ بقاء ایمان کی حالت میں کوئی مردود نہیں ہوسکتا اور بقاء کفر کی حالت میں کوئی مقبول نہیں ہوسکتا مگر یہ بقاء انتہاء سلسلہ علل کے درجہ میں کس کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہے اصل اس بات کی کہ بندگان خدا خوف سے کانپا کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ حق تعالیٰ کے وعدہ وعید پر بالکل یقین رکھتے ہیں۔ یقین تو اس بات کا رکھتے ہیں کہ اعمال پر نتیجہ مرتب کرنا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا اگر اخیر تک ہم ایمان وعمل صالح پر جمے رہیں تو یقینا نجات ہے اور اگر اخیر تک کوئی کفر پر جما رہا تو یقینا جہنم کا عذاب ہے اس کا تو پورا یقین ہے مگر کانپتے ہیں اس واسطے کہ دل حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ارادہ کا پلٹ جانا ہر وقت ممکن ہے جس کے لیے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ایک ایسے فاعل مختار کے قبضہ میں ہے جس پر کسی بات کی روک ٹوک نہیں ہوسکتی۔ ہاں وہ کریم ورحیم بھی ضرور ہے جس سے بہت کچھ امیدیں ہیں۔ غالب یہی ہے کہ جو ایمان وعمل صالح کا ارادہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس پر رحم وکرم فرماتے ہیں اور اس کو دوام واستمرار (۳) کی توفیق

(۱) توفیق الٰہی کے بعد اپنے اختیار سے ایمان لایا (۲) ایمان اور اعمال کے ختم ہونے کے بعد (۳) اسپر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق دیتے ہیں

دیتے ہیں لیکن جس وقت نظر اس کے اختیار اور حکومت علی الاطلاق پر پڑتی ہے اس وقت سب امیدیں فراموش ہوجاتی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

غافل مرد کہ مرکب مرداں راہ را　　درسنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ زندان بادہ نوش　　ناگہ بیگ خروش بہ منزل رسیدہ اند(۱)

اور یہ صرف شاعری نہیں بلکہ ایسے واقعات ہوئے خدا تعالیٰ کی شان یہ ہے:

گنہ آمرز زرنداں قدح خوار　　بطاعت گیر پیران ریاکار(۲)

حق تعالیٰ کی عظمت

گو ایسا کم ہوا ہے لیکن ہوا ضرور ہے کہ ایک مومن کافر اور زندیق بن گیا اور ایک کافر ملحد مشرک مومن کامل بن گیا۔ جب ایک بات ممکن الوقوع ہے گو کم ہی ہو تب بھی ڈرنے کی چیز ہے۔ لوگ کچہری میں جاتے ہیں تو ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان کو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی پیچ ایسا نہ آن پڑے کہ قانون بھی ہمارے خلاف ہوجائے۔ اسی طرح اچھے اچھے ماہرین قانون کو یہی حاکم سے خوف ہوتا ہے حالانکہ ان کو قانون معلوم ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ سے کیسا کچھ خوف ہونا چاہیے اس کو خود سمجھ لو کیونکہ حق تعالیٰ حاکم مطلق ہیں جن کے اوپر کوئی کسی قسم کا حاکم نہیں۔ تمہاری حالت کا بدل دینا اور قانون کو تمہارے خلاف کردینا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، کاہے کا ناز اور کاہے کا انداز، ناز و انداز اس وقت تک سوجھتے ہیں جب تک حق تعالیٰ کی عظمت نظر میں نہ ہو اور اگر عظمت نظر میں ہو تو پتے پانی ہوجائیں حق تعالیٰ کی عظمت وہ چیز ہے اس کے انکشاف کے وقت عقل و ہوش سب رخصت ہوجاتے ہیں۔ سمجھنے کی بات ہے کہ ناز انداز کسی عمل ہی پر ہوسکتا ہے اور عمل کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو مگر حق تعالیٰ کی شان کے موافق نہیں ہوسکتا۔ کیا بندہ اور کیا اس کا عمل جس کو خدا کی شان کے موافق کہا جاوے نیز ناز تو مکتسب چیز پر

(۱) ''غافل مت ہو کہ مرد خدا پتھر بھی زمینوں جنگلوں کو طے کرتا ہے ہم سے ناامید مت ہو کہ رند شراب نوش اچانک نظر میں منزل تک پہنچ جاتے ہیں'' (۲) ''درنداں شراب خوار کے گناہ بخشنے والے ریاکار پیروں سے طاعت پر مواخذہ کرنے والے ہیں''

ہوسکتا ہے اور اعمال جن پر آپ کو ناز ہے گو وہ مکتسب ہے لیکن اکتساب بھی اس کے صدور کی ایک علت ہے۔ علۃ العلل نہیں ہے بلکہ اس کی علت حقیقتاً مشیت حق ہے(۱)۔ پس چوں کہ اکتساب علۃ قریبہ ہوتی ہے اس لیے اعمال کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر اس کے لیے بھی ایک دوسری شے علت ہے یعنی مشیت حق چنانچہ معلوم ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (۲)

صاحبو! ادھر کی مشیت سے سب کچھ ہوتا ہے اور آپ کو جو دخل ہے وہ برائے نام ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے جو قابلِ عبرت ہے گو یہ حکایت خواص کے خطاب کے قابل تھی مگر مسلمان خواص ہی ہیں اس لیے بیان کرتا ہوں۔

امثال عبرت

حکایت یہ ہے کہ ان بزرگ نے ایک دفعہ ذکر اللہ کا ارادہ کیا تو بڑی دیر تک چاہتے رہے کہ زبان سے خدا کا نام لیں مگر زبان پر نہ آیا، حیرت کی بات ہے لوگ کہیں گے کہ کیسے ہوسکتا ہے مگر یہ حالات اہل حال پر گزرتے ہیں جن پر گزرتے ہیں وہ جانتے ہیں، دوسرے کیا جانیں۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند(۳)

اہل حال کو سخت سے سخت حالات نا قابل برداشت پیش آتے ہیں کتنی سخت بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام بھی زبان پر نہ آیا۔ اس سے جو حالت ان کے دل پر گزری ہوگی وہی جان سکتے ہیں یہ تو بہت بڑی بات ہے سالک کے قلب پر تو ذرا سا میل بھی آتا ہے وہ تو جان کھونے کو تیار ہو جاتا ہے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود(۴)

ان کو سخت حیرت ہوئی کہ ایسا کیوں ہوا، بس یاد آ گیا کہ ایک دفعہ جوانی میں لاابالی پن(۵) سے ایک بیہودہ کلمہ زبان سے نکلا تھا جس سے توبہ نہیں کی گئی آج اس کا

(۱) اللہ کی چاہت (۲) ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں'' سورۃ الدھر: ۲۹ (۳) ''تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلوار چل رہی ہے'' (۴) ''سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر ذرہ بھر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے'' (۵) بے توجہی کی وجہ سے

وبال پڑا ہے وہ حجاب ہورہا ہے کہ کلمہ کو زبان پر نہیں آنے دیتا۔ حضرت یہ دشوار گزار گھاٹیاں حق تعالیٰ کے راستہ میں پیش آتی ہیں جو راستہ طے کرتے ہیں ان سے پوچھو مگر ہم لوگوں نے تو سہل طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس راستہ میں قدم نہ رکھو، نہ پڑھو نہ قضا ہو، اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ حق تعالیٰ جو کسی سے اعمال صالحہ کی توفیق سلب کرلیتے ہیں اس کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے یوں ہی بلاوجہ بے قاعدہ توفیق سلب نہیں کرتے، گو قدرت یہ بھی ہے کہ بلاوجہ بھی سلب کرلی مگر وہ ایسا کرتے نہیں بلکہ جب کسی سے کوئی نعمت سلب ہوتی ہے اس کا سبب اس شخص کا کوئی عمل اختیاری ہوتا ہے جس کو خدا نے یاد رکھا اور بندہ نے بھلادیا۔ بندہ نے اس کو معمولی سمجھا اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی اس لیے مواخذہ کے وقت جہل کے سبب یوں گمان کرلیا جاتا ہے کہ بلاوجہ مواخذہ ہوا اس لیے کسی گناہ کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے اور نہ کسی سزا کو بلاوجہ سمجھنا چاہیے۔

حضرت جنید بغدادی ایک بار چلے جارہے تھے ایک مرید ساتھ تھا، راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا عیسائی کا نظر پڑا مرید کی نظر اس پر پڑگئی، مرید نو آموز یا ناآموز تھا(۱) اس کو نظر بھر کر دیکھا، شیطان نے اس کو بہکادیا کہ صنعت خدا دیکھ لے اس نے نظر کرلی پھر حضرت جنید سے کہتا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ اس صورت کو بھی دوزخ میں ڈالے گا۔ حضرت جنید نے کہا کیا تو نے اس کو دیکھا ہے اچھا اس کا وبال سامنے آئے گا۔ اس وقت تو بات رفع دفع ہوگئی، بیس سال بعد وبال کا ظہور ہوا کہ وہ مرید قرآن بھول گیا، ہم لوگوں کی نظر ان باتوں پر کہاں پہنچ سکتی ہے ہم کسی سزا کو بیس سال کے فعل کی طرف کیسے منسوب کریں مگر یہ بات بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ہے درحقیقت یہ سزائیں کسی عمل کی ہوتی ہیں اور یہ کوئی ضرورت نہیں کہ سزا عمل کی اسی وقت ہی مرتب ہوجائے، دیکھئے آموں کے موسم میں آم زیادہ کھائے جائیں تو اس کا اثر کئی مہینے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ پھوڑے پھنسی زیادہ نکلتے ہیں یہاں کوئی نہیں کہتا کہ پھوڑے پھنسی آموں کا اثر نہیں اس طرح ترتب وبال میں (۲) دیر ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ کسی گزشتہ عمل کی سزا نہیں۔ یہ حضرت جنید کی حکایت تو درمیان میں آگئی تھی میں ان بزرگ کی حکایت بیان

(۱) مرید ابھی نیا نیا تھا یا ابھی اس نے یہ بات سیکھی نہ تھی (۲) مصیبت میں مبتلا ہونے میں

کر رہا تھا کہ دیر تک ذکر کی توفیق نہیں ہوئی ان بزرگ کو یاد آیا کہ جوانی کے زمانہ کا ایک کلمہ بیہودہ حجاب ہو رہا ہے انہوں نے توبہ کی بس توفیق ہوگئی۔ تو اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے یا زبان سے ذکر کرتا ہے وہ محض خدا کی نعمت ہے اس پر ناز کیسا، وہ تو خدا ہی کی رحمت ہے تم نے کیا کیا۔

علم پر ناز

اگر کسی کو علم پر ناز ہو تو سن لیجئے کہ حضور ﷺ کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (۱) یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعۃً سلب کر لیں۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۔ یعنی پھر کوئی آپ کا کارساز بھی نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے۔ آپ ڈر ہی تو گئے ہوں گے اور تعجب نہیں کہ یاس کی نوبت آجاتی اس واسطے حق تعالیٰ نے یہ جزو بڑھا دیا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنی بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا۔ ان الفاظ کے جوڑ سے پتا چلتا ہے اس حالت کا جو اس آیت کے اترنے سے حضور ﷺ پر گزری ہوگی کہ اتنے لفظ پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ رحمت دستگیری کر سکتی ہے مگر اس کا وقوع ہوگا یا نہیں اس لفظ سے اس کا اطمینان نہیں ہوتا اس واسطے ایک جملہ اور بڑھا دیا۔ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا یعنی چونکہ خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے شامل حامل ہے اس لیے بالفعل رحمت آپ کی دستگیر ہے۔ آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں بس اس لفظ سے یقیناً حضور ﷺ کا اطمینان ہوگیا کہ ایسا واقعہ نہ ہوگا کہ علوم سلب کر لیے جائیں۔ صرف اظہار قدرت اور تصحیح عقیدہ کے لیے ایسا فرمایا گیا جب حضور ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو ہے۔

تا بدیگراں چہ رسد

دوسروں کی تو کیا حقیقت ہے ہم کو ذرا ہوش سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ کسی کو علم پر ناز ہے

(۱) سورۃ الاسراء: ۸۶

تو حماقت ہے، عمل پر ناز ہے تو حماقت ہے۔ ان میں سے کوئی جز بھی اس درجہ میں مکتسب نہیں جس پر ناز کیا جائے جس کو کوئی چیز حاصل ہے وہ سب عطائے الٰہی ہے اس کو اپنی چیز سمجھنا اور تزکیہ نفس کرنا کبر ہے اور کبر وہ عیب ہے جو گند در گند ہے۔ اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کبر کس درجہ بری چیز ہے مگر ہم لوگوں میں بہت کم قلوب اس سے پاک ہوں گے، اس حدیث میں اسی کا علاج ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ایک وجہ تو یہ ہوئی اس کے اختیار کرنے کی، دوسرے یہ کہ یہ مرض عام ہونے کے ساتھ ام الامراض و بیماریوں کی جڑ بھی ہے، اکثر شدید امراض باطنی کی جڑ یہی ہے اور اکثر عیوب کا سلسلہ کبر ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ مثلاً غصہ کہ یہ ایک بڑا مرض ہے مگر پیدا ہوتا ہے کبر ہی سے بعض وقت تو اس کا ظہور خود غصہ والے کے منہ سے ہونے لگتا ہے۔ مثلاً بد دماغ آدمی غصہ کے وقت اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں تو نہیں جانتا ہم کون ہیں۔

انسان کی اصلیت

ایک بزرگ نے اس کا خوب جواب دیا انہوں نے ایک شخص کو ٹوکا کہ غرور سے نہ چلو وہ غصہ میں آ کر کہنے لگا ''لا تدری من انا'' یعنی جانتا نہیں میں کون ہوں، ان بزرگ نے کہا جانتا ہوں ''اولك نطفة نذره واخرك جيفة قذره وانت بين ذالك تحمل العذره'' یعنی پہلے تو تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا اور اس کے بیچ میں یہ حالت ہے کہ پیٹ میں نجاست کو لیے پھرتا ہے، واقعی انسان کی حالت تو یہی ہے ہم ظاہر میں کیسے پاک وصاف ستھرے بنتے ہیں، نہاتے ہیں، دھوتے ہیں، صابن ملتے ہیں، عطر لگاتے ہیں اور نفیس مزاج بنتے ہیں، میل کچیل سے گھن کرتے ہیں، میلے کپڑے تک پہننا گوارا نہیں کرتے مگر حالت یہ ہے کہ جس چیز سے گھبراتے ہیں وہ ایک کافی مقدار میں پیٹ کے اندر ہر وقت بھری رہتی ہے کوئی تول کر دیکھے تو پانچ سیر تین سیر دو سیر پائخانہ ہر وقت پیٹ کے اندر ساتھ رہتا ہے جس چیز سے گھنیاتے ہیں (۱) وہی لادے پھرتے ہیں، صاف ستھری مجلسوں میں جاتے ہیں مگر یہ تبرک ساتھ ہے، آدمی

(۱) جس چیز سے گھن کرتے ہیں

ذرا غور کرے تو اس سے تمام ناز جاتا رہے(۱)، یوں کہئے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ سب کا عیب ڈھک رکھا ہے جس سے ہم ستھرے بنے پھرتے ہیں اگر پیٹ کی نالی نالی میں قوۃ ماسکہ نہ ہوتی جس سے پاخانہ رکا رہتا ہے اور خاص وقت پر نکلنے کا تقاضا ہوتا ہے اور یہ نالی ہر وقت بہا کرتی یا کم از کم اس راستہ سے اس کی بدبو ہی ہر وقت آیا کرتی تو کوئی پاس بھی نہ بیٹھنے دیتا، سب صفائی اور نفاست بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لوگوں کی یہ قوت ماسکہ کمزور(۲) ہوجاتی ہے اور ہر وقت دست بہنے لگتے ہیں تو دیکھ لیجئے ان سے کیسی نفرت کی جاتی ہے مگر حق تعالیٰ نے اپنی شان ستاری سے پیٹ کو ایسا ڈھکا ڈھول بنایا کہ کسی کو خیال بھی نہیں آتا کہ تمہارے پیٹ میں پاخانہ ہے یا کیا ہے گندہ دہنی (۳) ایک مرض ہے۔ اس میں دیکھ لیجئے کہ کوئی پاس بھی نہیں آنے دیتا جس کے نزدیک جائیں وہی نفرت ہے۔ حق تعالیٰ نے وہ حالت دکھلانے کے لیے اس قسم کے بعض امراض پیدا کرتے ہیں تا کہ ان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی رحمت کو یاد کرلیا کریں کہ یہ بھی ممکن تھا کہ غلاظت پیٹ میں اس طرح پر ہوتی جس کی بو آیا کرتی مگر خدا تعالیٰ نے اس کو چھپا دیا۔

امام کی خصوصیات

زمانہ طالب علمی میں ایک گندہ دہن آدمی میرے ہی پاس جماعت میں کھڑا ہوا تھا، اس بھلے مانس کو بھی کچھ ضد تھی کہ جب میرے پاس کھڑا ہوتا مجھے سخت ایذا ہوتی، جماعت کے خیال سے میں کھڑا رہتا مگر جان پر بن جاتی۔ دیکھئے گندہ دہنی ایسی بری چیز ہے اگر خدانخواستہ آنتوں میں سے ایسا سوراخ کھلا ہوا ہوتا جس سے بدبو آتی تو کیا حالت ہوتی، کیا کرتے اس کو کس طرح بند کرتے، کیا اس کے منہ کو ڈورے (۴) سے باندھا کرتے، غرض اس کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے یہاں ایک بات درمیان میں یاد آئی جو فقہاء نے بیان کی ہے واقعی دو جماعتیں حقیقت شناس ہیں (۵) دین کی صوفیاء اور فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص سے جماعت کو ایذا(۶) ہو جیسے کوڑھ کا(۷) مریض یا

(۱) غرور تکبر ختم ہوجاتا ہے (۲) نجاست کو روکنے والی یہ قوت (۳) منہ سے بدبو آنا (۴) کیا دھاگے سے اس کا منہ بند کرتے (۵) دو جماعتیں حقیقت مسائل کو جاننے والی ہیں (۶) تکلیف (۷) گوشت سڑنے لگتا ہے پھوڑے ہوکر پیپ نکلنے لگتی ہے

خارش کا مریض یا گندہ دہن (۱) وغیرہ اس کو جماعت معاف ہے کیونکہ ایک کی وجہ سے دس کی جماعت جاتی ہے بعض لوگوں کو اس ایذا پر صبر نہ ہوگا تو وہ جماعت سے بیٹھے رہیں گے۔ فقہاء نے تکثیر جماعت کو مہتم بالشان سمجھا ہے اسی تکثیر کی وجہ سے امام کی صفات لکھی ہیں ان سب کی بناء اسی پر ہے کہ جماعت میں تکثیر ہو اور نفرت نہ ہو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر علم وفضل میں چند آدمی برابر ہوں تو ایک وجہ ترجیح کی خوبصورت ہونا بھی ہے جو ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے مگر امرد (۲) نہ ہو کیونکر امرد کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی طرف زیادہ رغبت ہوگی اور ایک وجہ ترجیح کی یہ بھی لکھی ہے کہ جو نسب میں بڑھا ہوا ہو نسب سے بھی آدمی کی عزت ہوتی ہے اور مقتدیوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں عار نہیں آتی تو اس سے تکثیر ہوگی جماعت کی۔ یہاں تک لکھا ہے کہ جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے کیونکہ ایسا آدمی عفیف (۳) زیادہ ہوگا اور غیر عفیف سے عفیف کے پیچھے جماعت زیادہ جمع ہوگی اور اس سے کوئی یہ سمجھے کہ امام صاحب کی بیوی کو جا کر جھانکا کریں تاکہ اس کا حسین ہونا معلوم ہو بلکہ یہ بات آپس میں ملنے جلنے والوں کو معلوم رہتی ہے کہ کس کے گھر کی کیا حالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ بات معلوم ہو کہ فلاں شخص کی عورت حسین ہے تو یہ بھی کسی درجہ میں وجہ ترجیح کی ہوسکتی ہے فقہاء شرعی مذاق نہایت صحیح رکھتے ہیں شریعت کی تاکیدیں جماعت کے متعلق دیکھ کر تکثیر جماعت کی صورتیں تجویز فرمائی ہیں، شریعت کو تکثیر جماعت کا خاص اہتمام ہے اس لیے امام کو تطویل قرأت سے منع فرمایا ہے اور تطویل کرنے والے کو فتان (۴) فرمایا ہے تاکہ جماعت میں تقلیل نہ ہو، امام کے متعلق ان جملہ احکام کی بناء تکثیر جماعت ہی ملے گی اس طرح شریعت نے مقتدیوں میں رعایت کی ہے کہ ان باتوں سے منع کیا ہے جو تکثیر جماعت میں حارج ہوں۔ مثلاً حدیث میں ہے جو شخص لہسن کھاوے وہ مسجد میں نہ آوے کیونکہ اس سے ایذا ہوتی ہے جو مخل فی التکثیر ہے (کثرت میں خلل انداز)

(۱) منہ سے بو آنا (۲) نابالغ (۳) پاک دامن (۴) فتنہ میں مبتلاء کرنے والا۔

حاکم کی اطاعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجذوم عورت (۱) کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''یا امة اللّٰہ اقعدی فی بیتك ولا تؤذی الناس ''یعنی اے خدا کی بندی اپنے گھر بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے۔ وہ طوعاً کرہاً چلی گئی، چند سال کے بعد دیکھا گیا کہ پھر آرہی ہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا مگر اس کو خبر نہ تھی ایک شخص نے اس سے کہا ''بشری فقد مات ذاك الرجل ''یعنی اب دل کھول کر طواف کر لے کیونکہ عمر (جنہوں نے منع کیا تھا) وفات پا چکے ہیں اس نے بہت تاسف کیا اور انا للّٰہ پڑھا اور کہا میں اب آئندہ طواف نہ کروں گی۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتے تو طواف کرتی میں ان کو مردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی، طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا کہ طواف کروں گی، بہت سے بہت یہ سزا ہو جاوے گی۔ عمرؓ ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جاوے اور مرنے کے بعد نہ مانا جاوے، یہ کہہ کر چلی گئی۔ یہ تھی اطاعت حاکم کی اور یہ تھا مسلمانوں کا باہم ارتباط (۲) اور تعلق جس کی نظیر ملنا مشکل ہے حتی کہ ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لشکروں کے امیر نے حکم دیا کہ سپاہی آگ میں کود پڑے اور وہ کودنے کے لیے تیار ہوئے (یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے) اس لشکر میں فقہاء صحابہ بھی تھے۔ انہوں نے ان کودنے والوں کو پکڑا اس قاعدہ کے موافق ''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ''(۳) اور مجمع مرکب از مجاذیب وسالکین تھا (۴) پھر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سالکین مانعین کی تصویب فرمائی (۵)، غرض وہ بی بی واپس چلی گئی، تقریر اس کے متعلق تھی جس شخص کے مسجد میں جانے سے دوسروں کو ایذا ہو اس کو چاہیے کہ نماز گھر میں ادا کرے یہاں سے ایک مسئلہ اور بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص مفسد ہو جس کے مسجد جانے سے بہت سوں کو تکلیف پہنچتی

(۱) جزام کے مرض میں مبتلا عورت (۲) باہمی میل جول (۳) ''اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی طاعت منہی ہے'' المصنف لابن ابی شیبۃ ۱۲/ ۵۴۶، الدر المنثور: ۲/ ۱۷۷ (۴) اس جماعت میں مجذوب وسالک ہر قسم کے لوگ تھے (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکنے والے سالکین کے عمل کو درست قرار دیا

ہوا گر قابو چلے تو اس کو مسجد میں آنے سے روک دینا جائز ہے کیونکہ جبکہ اتنی ایذا کی وجہ سے کہ منہ میں سے بدبو آنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے شریعت نے مسجد میں آنے سے روک دیا ہے تو جن سے دینی یا دنیاوی فتنہ کا اندیشہ ہو ان کی ممانعت بطریق اولیٰ نکلتی ہے یہ کلام اس پر چلا تھا کہ غصہ کی اصل تکبر ہے چنانچہ بعضوں کی زبان پر غصہ کے وقت یہ بات آجاتی ہے کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو معلوم ہو ہم کون ہیں اگر یہاں پردہ اٹھاویں تو ساری مسجد کے آدمی بھاگتے نظر آویں۔

حکمت اور مصلحت

حق تعالیٰ نے حیات میں بھی پردہ ڈھکا رکھا ہے اور بعد ممات کے بھی کیسی ستاری کی ہے حکم دیا ہے کہ لاش نہلاؤ تا کہ کوئی گندی چیز مرض کی حالت میں لگ لگا گئی ہو جس سے لوگوں کو نفرت ہو تو وہ دھل جائے اور جنازہ کا لے چلنا ان پر بار نہ ہو اور صاف ستھرے کپڑوں میں لپیٹو اور خوشبو لگاؤ اور خوشبو میں سے بھی کافور کو اختیار کیا جو مانع تعفن (ا) بھی ہے ان سب میں یہی حکمت ہے کہ اس سے کسی کو نفرت نہ ہو اور عیوب ڈھکے رہیں۔ ایک مقتول کی لاش کی تشریح ڈاکٹر نے کی اس کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ میں بھی اس کے غسل و نماز میں شریک تھا۔ واللہ اس قدر تکلیف ہوئی ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی اور واجب ہونے کی وجہ سے شرکت تو کی مگر دماغ و قلب کی جو حالت تھی اس کو وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو اس وقت شریک تھے اگر ایسی حالت ہر مردہ کے ساتھ پیش آوے تو عجب نہیں کہ لوگ دفن کرنا بھی چھوڑ دیں اور ویسے بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں اور کتے بلی اس کو خراب کرتے پھریں، اس مقتول کی حالت دیکھ کر قدر معلوم ہوئی اس حدیث کی جس میں ہے کہ تین چیزوں کو مؤخر نہ کرو، ایک تو ان میں سے جنازہ بھی ہے، سبحان اللہ شریعت کے کیا احکام ہیں ان ہی کی بدولت مسلمانوں کا مردہ کیسی عزت واحترام کے ساتھ جاتا ہے کہ کسی کو ذرہ بھی ناگواری نہیں ہوتی۔ اس مقتول کی لاش کا کفن دفن سب کچھ ہوا مگر کس درجہ ناگواری کے ساتھ کہ الامان الامان اس دیر نہ کرنے میں حکمت یہ بھی ہے کہ مقبول کو منزل مقصود پر جلدی پہنچاؤ اور مردود کو اپنی گردنوں سے

جلدی

(۱) بدبو کو روکنے والا

پھینکو۔ احکام شرعی میں ایک ایک نہیں سینکڑوں حکمتیں ہیں اہل ظاہر کے لیے بھی حکمتیں ہیں اور اہل باطن کے لیے بھی حکمتیں ہیں۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد　　　برنگ ارباب صورت را ببو ارباب معنی را (۱)

مردہ کو تجہیز و تکفین کے جلدی کرنے میں باطنی حکمت تو یہ ہے کہ جو ابھی مذکور ہوئی اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی بیان فرمایا اور ظاہری حکمت یہ ہے کہ بدبو آنے سے پہلے اس کو ڈھانک دیا جائے اس کے عیب نہ کھلیں اور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، زندوں کا نفع اور مردہ کا بھی نفع۔

تدابیر نجات

یہاں سے ایک بات اور نکلتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے ساتھ اتنی شفقت ہے کہ اتنی بات بھی گوارا نہیں کہ ہمارے دماغ سے بدبو سے تکلیف پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے جسم کو جہنم میں کیسے چھوڑیں گے۔ ان شاء اللہ بہت کچھ امیدیں ہیں۔

نماند بہ عصیاں کسے درگرو　　　کہ دارد چنیں سید پیش رو (۲)

اس کے معنی یہ نہیں کہ جہنم میں جانے نہ دیں گے جس سے ہم لوگ تکیہ کر بیٹھیں کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سروں پر موجود ہیں، فرشتوں کے ہاتھ سے ہم کو چھڑا لیں گے اور عذاب نہ ہونے دیں گے بلکہ اس کا اثر یہ ہے کہ آپ نے دوزخ میں جانے کے اسباب سے منع فرمایا ہے جیسے بدبو سے بچنے کی تدبیر بتائی ہے کہ جلدی دفن کرو، مردہ کو سڑنے نہیں دیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ آپ حق تعالیٰ سے دعا کر دیتے کہ مسلمانوں کا مردہ سڑا نہ کرے مگر یہ نہیں ہوا بلکہ تدبیر تعلیم فرمائیں جن کے ذریعے سے سڑنے سے حفاظت رہے اسی طرح وہ اعمال تعلیم فرمائی جن کے ذریعے دوزخ سے نجات رہے، ہر تعلیم سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ ایسی شفقت ہے جیسے باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر موقع پر بیٹے کو وہی تدبیریں بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ

(۱) "اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو

سے تازہ رکھتی ہے‘‘(۲)’’جو شخص ایسا سردار پیش رو رکھتا ہو وہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں نہ رہے گا‘‘
ہوں اور ذرا سی بھی تکلیف بیٹے کی نہیں دیکھ سکتا تو گو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس نہیں مگر تدابیر نجات سب بتا گئے ہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت موجود نہیں۔ حالت حیات ہی کے ساتھ خاص تھی، نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت سب کو عام ہے حاضرین کو بھی غائبین کو بھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اب تک ویسی ہی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گی۔ یہ تو زندوں کا نفع بیان ہوا، تعجیل، تجہیز و تکفین (۱) میں اور ایک فائدہ کا بھی بیان ہوا کہ اگر مقبول ہے تو جلدی اپنے ٹھکانے پہنچا دیا جائے گا اور مردہ کا ایک نفع اور بھی ہے اور وہ ایک ذرا باریک بات ہے اس کے لیے اول ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باذن اللہ خبر دی کہ مردہ کو ایصال ثواب صدقہ خیرات وغیرہ کا ہوسکتا ہے اس طرح زندہ مردہ کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ارادہ ایصال ثواب کا جب ہوتا ہے جب مردہ سے محبت ہو اور مردہ کے تاخیر میں بدبو آجاوے گی تو آپ کو اس سے اذیت اور نفرت ہوگی۔ پھر ہرگز ہرگز اس کے تصور کو بھی جی نہ چاہے گا ایصال ثواب تو کیسا۔ تو وہ غریب ایصال ثواب سے محروم رہے گا اس واسطے حکم دیا گیا کہ نفرت پیدا ہونے سے پہلے ہی دفن کردو بلکہ مسلمانوں کے مردوں کو خوب دھونی دینی چاہیے، خوشبودار کافور بھی ملا جاتا ہے، کافور میں یہ بھی حکمت کہ اس سے کیڑے بھاگتے ہیں۔ اس کا خاص طور پر حکم ہے تا کہ کچھ دیر تک تو حفاظت رہے اور نظروں سے پوشیدہ ہونے کے وقت تک کوئی بات موجب نفرت نہ ہونے پائے غرض سینکڑوں مصلحتیں ہیں، جلدی دفن کرنے میں سب کی سب واقعی مصلحتیں ہیں۔ لے چلنے میں بھی جلدی کا حکم ہے اور نماز میں بھی جلدی کا حکم ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے ہماری کتنی حفاظت کی ہے اور ہمارے عیوب کو کس طرح ڈھانکا ہے اور زندگی میں گندگیوں کو ہمارے جسم میں اس حفاظت سے رکھا ہے کہیں کو پھوٹنے نہیں دیا اگر اتنی حفاظتیں نہ ہوں تو ہم کو اپنی حقیقت نظر آجاوے۔ غرض یہ ہے کہ اگر اپنے یہ حالات ہم کو محفوظ رہیں تو کبھی کبر نہ آوے (۲)

(۱) غسل کفن دفن میں جلدی کرنے میں (۲) غرور نہ ہو

تفکر کی ضرورت

مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو تفکر کی عادت نہیں اگر گاہ گاہ بھی غور کرلیا کریں تو یہ باتیں چھپی ہوئی یا دلیل کی محتاج نہیں بلکہ از قبیل مشاہدات ہیں جو ہر شخص کے نزدیک مسلم اور مشاہد ہیں ہاں ان کے استحضار کے لیے کچھ نہ کچھ قصد شرط ہے سو قصد کرنا چاہیے کہ اس تفکر سے اتنے بڑے مرض کا علاج ہوتا ہے جو ام الامراض ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں نہ اس میں کچھ حرج ہوتا ہے اور اگر اتنا سا کام اختیار وارادہ سے کرنے میں بھی آپ کو تکلیف ہے تو میں آپ کو ایک مراقبہ بتاؤں جس کا بالاضطرار(۱) روزمرہ موقع پیش آتا ہے وہ یہ کہ پاخانہ میں ایک دفعہ ہر شخص کو جانا پڑتا ہے ذرا وہاں کی ہیئت کو خیال کیجئے کہ سب سے علیحدہ اپنے عیوب کو کھولے بیٹھے ہیں، ہیئت وہ ہے کہ کسی کے سامنے اس کے ساتھ نہیں آسکتے کام وہ ہے جس کے تصور سے بھی دل گھبراتا ہے گو کرنا ہر شخص کو روز پڑتا ہے ذرا اس ہیئت کو آئینہ سامنے رکھ کر دیکھئے۔ آپ کو خود ہی تعجب ہوگا کہ ہم چیز ہی کیا ہیں جو دوسرے وقت کہتے پھرتے ہیں کہ تم جانتے نہیں ہم کون ہیں، آپ یہ ہیں جو اس خاص حالت سے آئینہ کے اندر ہیں، پاخانہ میں بیٹھ کر اس کو سوچا کیجئے اور آج کل تو ایک مذاق یہ بھی نکلا ہوا ہے کہ پاخانہ میں بھی بے کار نہیں بیٹھتے، اخبار لے جا کر وہاں دیکھتے ہیں کیونکہ وقت بڑی فرصت کا ہے تو جب وہ وقت بھی بے کار ضائع جانا پسند نہیں تو اس کو اس مراقبہ میں صرف کرنا خلاف وضع کیوں ہے یہ بھی ایک کام ہے پاخانہ کے وقت اسی کو کرلیا کیجئے۔ ہاں جس کا یہ مذاق ہو کہ خاص خبروں ہی سے دل بہلانا چاہتا ہو تو اور بات ہے اس کو اس مراقبہ کی فرصت کہاں ہوگی یہ لوگ بھی کیا مذاق والے ہیں۔ اخبار بینی کے لیے کیسا وقت تجویز کیا ہے کہ اگر کبھی اخبار میں کوئی دلچسپ مضمون نظر پڑ گیا تو دیر سویر کا بھی خیال نہ رہے گا، گھنٹوں وہیں قید رہیں اور واقعی ان کی سزا یہی ہے کہ ایسی جگہ میں قید رہیں ورنہ قاعدہ عقلی یہ ہے۔ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہے) پاخانہ میں تو صرف اتنی دیر بیٹھنا چاہیے جس میں قضائے

(۱) بلا اختیار

حاجت ہوجاوے پاخانہ بھی صاف کھل کر جب ہی ہوتا ہے جب آدمی دوسرے شغل میں نہ لگے اور جب دوسرے شغل میں لگ گیا قضائے حاجت (۱) بہ تکلیف دیر ہوگی۔ یہ دیر اس شغل کی سزا ہے اور میں نے جو مراقبہ تجویز کیا ہے اس میں یہ خرابی نہیں کیونکہ اس میں تو پاخانہ کی حاجت ہی کا مراقبہ ہے اور اس کے وقت میں امتداد کا بھی احتمال نہیں (۲) کیونکہ وہ پاخانہ کے ساتھ ختم ہوجاوے گا، پاخانہ کی قید پر ایک حکایت یاد آئی، ایک عہدیدار ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کررہے تھے تیسرے درجے میں معمولی آدمی بیٹھتے ہیں، یہ سفید پوش آدمی تھے، اس واسطے سب لوگ ان کا لحاظ کرتے تھے انہوں نے بستر کھول کر تمام بینچ کو گھیر لیا اور اس روز مسافر زیادہ تھے، بہت لوگ کھڑے کھڑے جارہے تھے یہ پیر پھیلائے مزے سے لیٹے تھے، بعض مسافروں نے خوشامد کی کہ منشی جی ذرا بیٹھ جاؤ انہوں نے ڈانٹ دیا، غرض سب کو پریشان کررکھا تھا، خدا کی قدرت ان کو پاخانہ کی ضرورت ہوئی اور وہ ریل کے پاخانہ میں گئے اتفاق سے ایسی صورت ہوئی کہ کواڑ بند کرنے میں چٹخنی باہر سے ایسی بند ہوئی کہ اندر سے کھل نہ سکی، اول تو انہوں نے اپنے تکبر کو نبھایا کہ خود کھٹ کھٹ کرتے رہے اور چٹخنی کے ساتھ زور لگاتے رہے مگر کہاں تک جب نہ کھلی تو آخر اندر سے آواز دی، اول سخت لہجہ میں کہا کہ ذرا چٹخنی کھول دینا، لوگوں نے آپس میں کہا کہ اب بدلہ لینے کا موقع ہے سسرے کو بند پڑا رہنے دو۔ ذرا دیر بیٹھنے کو جگہ تو ملے گی جب کسی سخت لہجہ سے نہ سنا تو انہوں نے کہا کہ کوئی صاحب چٹخنی تو کھول دے، اس پر بھی کسی نے نہ سنا تب آپ کا تکبر ٹوٹا اور خوشامد کی، غرباء رحم دل ہوتے ہیں کسی نے کہا کہ میاں کھول دو بہت دق کرلیا ہے (۳) دوسرے نے کہا کہ یوں نہیں، توبہ کرا کے کھولنا جب خوب توبہ کرالی تب کھول دی، اب تو ان کا شیطان اتر گیا اور بستر سمیٹ کر الگ بیٹھ گئے۔ وعدہ کے سچے نکلے یہ قید تو مجبوری کی تھی اور بعضے ہمارے بھائی ایسے ہیں کہ اپنے ہاتھوں پاخانہ کی قید میں بند رہتے ہیں قصداً اخباروں کو لے جاتے ہیں یہ کیا مذاق ہے خیر یہ تو مذاق تو تقلید بے جا سے حاصل ہوا ہے وہ کام بتاتا ہوں جو آپ کے لیے مفید ہو اور اتنے وقت کے لیے شغل بھی ہوجاوے وہ یہ کہ پاخانہ

(۱) پاخانہ سے بھی جلدی فراغت نہیں ہوگی (۲) زیادہ دیر لگنے کا بھی احتمال نہیں (۳) پریشان کرلیا۔

میں بیٹھ کر اپنی خوبصورتی اور شان کو ملاحظہ کیجئے یہ مراقبہ آپ کے کام کا ہے جو سامان تکبر کے ہیں وہ وہاں سب ندارد ہوتے ہیں۔ فیشن بھی ختم ہوجاتا ہے، پتلون رہے نہ لنگی وہاں تو ساری ہستی ننگی رہ جاتی ہے، آج کل تو لوگ کپڑوں سے بڑے بنتے ہیں اور پاخانہ میں اتر ہی جاتے ہیں اس وقت اپنی ہیئت کو دیکھئے کہ وہ واقعی وہ نقشہ ہے کہ بالقصد اس کو بتانا کبھی بھی کوئی گوارا نہ کرے، لباس انسان کے لیے زینت ہے وہ اترا ہوا ہے سب سے نکمی اور گندی جگہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ حالت ہے کہ اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہوسکتی اور اگر مجبوری نہ ہوتی تو کوئی بھی اس کو اختیار نہ کرتا پھر ٹانگوں کے درمیان سے جس چیز کا خروج ہورہا ہے وہ چیز ہے جس کا نام لینے سے بھی گھن آتی ہے، جس سے وہ لوگ بھی گھبراتے ہیں جو اٹھاتے ہیں یعنی بھنگی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے پاخانہ کے بعد آبدست وہ بھی لیتے ہیں گوہ میں سنا رہنا وہ بھی گوارا نہیں ان سب باتوں میں غور کیا کیجئے۔ گو یہ مراقبہ تو بڑا بے ڈھپ ہے مگر اخبار دیکھنے سے اچھا ہے کیونکہ وہ کارآمد نہیں اور یہ کارآمد ہے ان سب باتوں کو نظر میں رکھ کر سوچئے کہ کیا میں برا ہوں۔ کسی جاہل کا شعر ہے اللہ جسے کہتے ہیں واللہ میں ہی ہوں۔

ایک حقیقت

مولوی عبدالحق صاحب کانپور میں تھے وہ بڑے ظریف تھے۔ انہوں نے سنا تو فرمایا کہ کوئی پاخانہ میں جاکر اس ننگے کو سلام کرے کہ واہ میاں تم ہی اللہ ہو جو اس خوبصورت حال سے ہگ رہے ہو واقعی خوب جواب دیا۔ حق تعالیٰ نے نفی الوہیت مسیح پر اسی مضمون سے استدلال کیا ہے مگر اللہ اکبر قرآن کی کیا بلاغت ہے کہ نہایت پاکیزہ پیرایہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ یعنی مسیح اور ان کی والدہ خدا کیسے ہوتے یہ تو دونوں کھانا کھاتے تھے۔ اس میں اول تو یہ بات بتلائی کہ کھانا کھانے والا بھوک سے زیادہ عاجز ہوکر غذا کا محتاج ہوتا ہے اور خدا محتاج اور عاجز نہیں ہوتا۔ دوسرے اس میں اس طرف سے بھی اشارہ ہے کہ کھانا کھانے والے کو بول وبراز کی حاجت ہوتی ہے اور بول وبراز کا کرنے والا خدا کیا ہوتا خدائی کی شان

کے لائق یہی حرکات ہیں تو دیکھئے حاجت بول وبراز کو کیسے لطیف پیرایہ میں اشارۃ ادا فرمایا، صراحتاً ذکر نہیں کیا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک عیسائی کے سامنے یہ مضمون پیش کیا تھا تو اس نے کہا کہ پیشاب پاخانہ کا نام نہ لو۔ حضرت مسیح کے ذکر میں ایسی گندی باتیں لانا بے ادبی ہے، مولانا نے کہا پیشاب پاخانہ کا نام بے ادبی ہے تو بول وبراز(۱) سہی، الفاظ کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔ اس حقیقت کا وجود الوہیت کے منافی ہے غرض پاخانہ میں بیٹھ کر اصلی حالت انسان کی کھل جاتی ہے اس وقت اپنے آپ کو دیکھ کر سمجھ جاؤ کہ ہم کیا چیز ہیں جو شخص دن رات میں دو تین مرتبہ نجاست میں آلودہ ہوتا ہے تو وہ کیا بڑا ہوسکتا ہے صفائی ستھرائی بھی جو کچھ نظر آتی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی ایک کارسازی ہے کہ پانی جیسی ایک ایسی چیز پیدا کردی ہے جس سے گندگی کا ازالہ کرلیا جاتا ہے اگر پانی نہ ہوتو ہر وقت سنے ہی رہیں۔ اس وقت بڑائی معلوم ہو اب تو یہ ہے کہ پاخانہ میں تھوڑی دیر رہنا پڑتا ہے سب سے علیحدہ ہوکر جو کچھ گت بن گئی پھر پانی سے صاف ہوکر آبیٹھے اگر نجاست دور کرنے کی کوئی ترکیب نہ ہوتو بدبو ہر وقت آیا کرتی اس وقت یہ بات خوب سمجھتی کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں اگرچہ اس زمانہ میں سنا رہنا(۲) ہی بعض لوگوں کے نزدیک معیوب نہیں جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں ان کو دیکھ لیجئے۔

فیشن پرستی

فیشن ایک عجیب بلا ہے جو آدمی کو اندھا اور بہرہ کردیتی ہے بعض لوگوں کو تو اس میں شغف ہے کہ دن بھر اور رات بھر ان کو فیشن بنانے سے فرصت نہیں، ایک صاحب نے دیکھا کہ دن بھر فیشن ہی بناتے پاخانہ جانے کے کپڑے الگ تھے اور ملاقات کے کپڑے الگ تھے اور گھر میں بیٹھنے کے کپڑے الگ تھے، کام پر جانے کے کپڑے الگ تھے، ہر وقت کپڑے بدلنے میں رہتے تھے۔ پاخانہ جانے کی وردی عجیب تھی ان کو دیکھ کر مجھے بڑا رحم آتا کہ کس بیگار میں پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک واقعہ یہ ہوا کہ جہاں میرا قیام تھا اس کے سامنے ایک ایسے شخص بھی ٹھہرے ہوئے تھے مجھ سے

(۱) پیشاب پاخانے ہی کو کہتے ہیں (۲) گندگی میں آلودہ رہنا

وہ ان ہی قیود کی وجہ سے کئی دن تک نہ مل سکے میں بیٹھا بیٹھا یہ تماشا دیکھا کرتا۔

صاحب! یہ کیا تہذیب ہے اور یہ کیسی زندگی ہے تقلید نے ایسا اندھا کیوں کر دیا ہمارے پاس کیا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سب کچھ سکھا دیا۔ افسوس ہے کہ اس کو چھوڑ کر ان خرافات میں پڑ گئے۔ یہ لوگ اس قدر تو صاف ستھرے بنتے ہیں کہ پاخانہ جانے کے کپڑے الگ تک ہوتے ہیں لیکن ان کی صفائی کی حقیقت سنئے کہ پاخانہ میں سے اخبار وخبار سے پونچھ کر آجاتے ہیں اول تو اس سے صفائی ایسی نہیں ہوتی جیسی ڈھیلے سے ہوسکتی ہے کیونکہ ڈھیلے میں قوت جاذبہ ہے(۱) اور کاغذ میں یہ بات نہیں، ایک تو فیشن کی یہی غلطی لیجئے۔ اگر بجائے کاغذ کے کپڑا ہی اختیار کرتے تب بھی کچھ عقل کی بات تھی، کاغذ کا اختیار کرنا تو صریحاً بیوقوفی ہے کیونکہ کاغذ سے نجاست کی صفائی نہیں ہوسکتی پھر طرہ(۲) یہ کہ اس کے بعد پانی سے استنجا کرتے نہیں ہاں یہ صفائی بہت ہے کہ نہاتے روزمرہ ہیں اب اس صفائی کی حقیقت دیکھئے اس نہانے سے نہ نہانا اچھا تھا کیونکہ پہلے تو نجاست ایک ہی جگہ لگی ہوئی تھی اب سارا بدن اس میں سن گیا کیونکہ یہ لوگ ٹب میں بیٹھ کر نہاتے ہیں جس میں جسم سے پانی انفصال(۳) نہیں ہوتا اور مقام استنجا پہلے ہی سے دونوں جگہ سے ناپاک ہے تو ٹب میں بیٹھتے ہی وہ نجاست سارے پانی میں پھیل جاتی ہے جس سے وہ پانی سب ناپاک ہوگیا اسی کو اٹھا کر بدن پر ڈالتے ہیں حتی کہ منہ میں بھی اسی کو لیتے ہیں اور اس سے کلی کرتے ہیں اس کے تصور سے بھی گھن آتی ہے یہ آج کل کا تمدن اور تہذیب ہے اور اسی کا نام صفائی ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون''

بے حسی کی انتہا

خدا جانے حس کہاں گئی اگر کسی سے یوں کہہ دو کہ تم گوہ موت کھاتے ہو تو وہ لڑ پڑے اور فوجداری ہوجائے مگر کیا یہ گوہ موت کھانا نہیں ہے جب گوہ موت میں ملا ہوا پانی منہ میں چلا گیا تو گوہ موت کھانا اور کس کو کہتے ہیں۔ افسوس پاخانہ میں بھی دوسروں کی تقلید کرتے ہیں اور تعجب یہ ہے کہ پوری تقلید بھی نہیں کیونکہ وہ تو ان افعال کے کرنے

(۱) نجاست کو جذب کر کے خشک کرنے کی صلاحیت (۲) اس سے بڑی حماقت (۳) جدا

میں اس بات کے پابند نہیں کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کوئی کام کرنے لگیں اور تم اس کے پابند ہو پوری تقلید تو جب ہوتی ہے کہ تم بھی ان کی طرح آزاد ہوتے اور بدوں کسی کے دیکھا دیکھی کے ایسا کرتے مگر ان لوگوں نے تو ایسی آنکھیں بند کر کے تقلید کی ہے کہ اس چیز کے کھانے پینے کی نوبت آ گئی جس کے نام سے بھی آدمی گھنیاتا ہے(۱) نہا کر تولیے سے بدن پونچھتے ہیں اور اسی تولیہ سے کھانے کے بعد منہ پوچھتے ہیں۔ صاحبو! تعجب ہے آپ کو گھن نہیں آتی، دیکھنے میں تو صفائی کی یہ حد ہے کہ چینی کے برتنوں میں پاخانہ بھرتے ہیں اور ڈھکا رہتا ہے تاکہ بدبو نہ پھیلے اور بدبو سے بھی نفرت ہے لیکن تعجب ہے کہ ٹب میں نہاتے ہوئے جب نجاست پھیلتی ہے تو عین اس شے سے آپ کو نفرت نہیں۔ افسوس حضور ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر کن گندگیوں میں جا پھنسے ذرا ان صفائی کے طریقوں اور طریقہ سنت کو ملا کر تو دیکھئے اصل یہ ہے کہ سنت سے انحراف کی سزا یہی ہے کہ جس غرض سے انحراف کیا تھا یعنی صفائی وہ بھی نصیب نہ ہوئی بلکہ اس کی ضد یعنی گندگی میں پڑ گئے، بعض خدمت گاروں سے تحقیق ہوا کہ چونکہ یہ لوگ کاغذ سے استنجا کرتے ہیں جس میں قوت جاذبہ نہیں(۲) اس لیے ان کی پتلونوں میں پاخانہ سنا ملتا ہے(۳)، افسوس فیشن ایبل لوگ عام طور سے اس میں مبتلا ہیں افسوس مسلمانوں نے سب چیزیں اپنے یہاں کی چھوڑ دیں اور دوسروں کی اختیار کر لیں اور ہیں مسلمان اگر اسی کا نام اسلام ہے تو یہ وہ اسلام ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۴) کیوں صاحبو! کیا حضور ﷺ میں بھی یہی اسلام تھا (نعوذ باللہ) کیا حضور ﷺ نے یہی معاشرت تعلیم کی تھی، اسلام نے تو اس کی جڑ کاٹ دی تھی اور وہ کبر ہے اس تقلید کی اصل یہی ہے کہ بڑا بننے کے لیے بڑوں کی معاشرت ہر کام میں اختیار کی جاتی ہے محض ان کی ریس کرتے ہیں حتی کہ ہگتے اور موتتے بھی ہیں ان ہی کی طرح۔ تاکہ جیسے وہ بڑے ہیں یہ بھی بڑے کہلائیں اور شریعت

(۱) گھن کرتا ہے (۲) خشک کرنے کی صلاحیت نہیں (۳) لگا ہوا ہوتا ہے (۴) ''آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے اگر تم اب بھی اہل ایمان ہو'' سورۃ البقرۃ: ۹۳

اسلامی میں بڑا بننے کی گنجائش ہی نہیں۔ شرعی اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ کبر اور ایمان گویا دو متضاد چیزیں ہیں جب اس تقلید متکبرین کی شریعت نے جڑ ہی کاٹ دی ہے جس پر یہ سب متفرع ہیں پھر ہم کو فرداً فرداً ایک ایک فرع پر کلام کرنا بے کار ہے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ معاشرت کی تبدیلی درحقیقت اسلام سے کس قدر دور ہے اور یہ درحقیقت اس چیز کا شعبہ ہے جو اسلام اور ایمان کے گویا مقابل ہے یعنی کبر یہ ام الامراض (۱) ایسا عام ہوا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ بھی اس سے خالی نہیں گو بعض آحاد (۲) خالی ہوں یہ وہ مرض ہے کہ تمام بڑے چھوٹے امراض اسی کے بچے ہیں۔

غصہ کے نقصانات

اسی کبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے حتی کہ آدمی کو ہوش نہیں رہتا اور وہ مرض جو دل میں تھا، زبان پر آجاتا ہے جیسا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں، دیکھئے بعض وقت وہ مرض اتنا بڑھ جاتا ہے کہ دل میں سما نہیں سکتا اور ابل کر زبان تک نوبت آجاتی ہے یہ بات اس شخص نے ضرور کبر (۳) سے کہی ہوگی کیونکہ ایسے شخص سے کہی جس کو اپنے آپ سے چھوٹا سمجھا، کوئی یہ نہ سمجھے کہ غصہ میں ہوش نہیں رہا تھا اور یہ بات بیہوشی کے اندر منہ سے نکل گئی کیونکہ اگر وہ مخاطب کو بڑا سمجھتا تو کبھی یہ بات منہ سے نہ نکلتی۔ مشہور ہے کہ غصہ عقلمند ہے چھوٹے پر ہی آتا ہے اور یہ واقعی بات ہے حضرت بڑے کی بات پر ناگواری تو ہوسکتی ہے جبکہ اس سے کوئی بات اپنے خلاف مزاج دیکھیں مگر جوش انتقام جو غضب کی تعریف میں داخل ہے وہ چھوٹے ہی پر آتا ہے، بڑے کے مقابلے میں جو ناگواری ہوتی ہے اس کا نام حزن (۴) اور صدمہ ہے، باقی غصہ جب آتا ہے اسی پر آتا ہے جس کو اپنے سے چھوٹا سمجھے اور جب کسی کو اپنے سے کم سمجھا تو اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا اسی کا نام کبر ہے غرض غصہ کبر ہی سے ہوتا ہے، نتائج اس کے یہ ہیں اگر ہم میں قدرت انتقام ہے تو بلا انتقام لیے دل ٹھنڈا نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں ظلم ہو جاتا ہے، سزا بمقدار عمل پر بس نہیں ہوتی اور اس وقت نفس یہ توجیہ کرتا ہے کہ قصور تو اسی کا ہے

(۱) تمام امراض باطنہ کی اصل (۲) چند لوگ (۳) تکبر سے (۴) غم وافسوس

ہم تو برائی کے مقابلہ میں برائی کرتے ہیں اس میں کیا حرج ہے خود قرآن میں موجود ہے: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ (برائی کا بدلہ برائی ہے) حالانکہ یہ محض نفس کی تسویل ہے(۱) قرآن میں وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ کے ساتھ مِثْلُهَا (اس کی مثل) کی قید بھی ہے کہ اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے جتنی زیادتی اس نے کی ہو۔ اب بتلایئے کہ کیا کوئی ایسا مستقل مزاج ہے جو غصہ میں اتنا ہوش رکھے کہ اس نے اتنی برائی کی ہے اور میں اتنا بدلہ لوں اول تو اسے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ دوسرے کی طرف سے زیادتی ہے یا نہیں غصہ کے وقت دوسرے کی بھلائی بھی برائی معلوم ہونے لگتی ہے پھر اس کی مقدار کا اندازہ رکھنا گو امکان عقلی کے درجہ میں تو ہے لیکن امکان عادی سے یقیناً خارج ہے(۲) غصہ میں یہ کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ کتنی زیادتی ہم پر کی گئی ہے اور ہم جو سزا دیتے ہیں وہ اس کے برابر ہی ہوگی اور اگر واقعی اس میں غلطی نہ کی گئی ہو اور دوسرے نے واقعی زیادتی کی ہو اور صاحب غضب کو اتنی قدرت بھی ہو کہ غصہ سے مغلوب نہ ہو جائے اور سزا بقدر عمل پر بس کرنے کی پوری طاقت ہو تب قرآن شریف کا حکم یہ ہے کہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے اور یہ فتویٰ بھی ہمارے ضعف کی وجہ سے ہے۔

عفو و درگزر

ورنہ عزیمت تو یہ ہے جو اس کے آگے مذکور ہے: فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (۳) یعنی اعلیٰ درجہ اس وقت بھی یہی ہے کہ درگزر کر لے اور اس کو موکد کیا ہے ''اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ'' (اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) سے گویا تہدید کر دی کہ بدلہ لو تو اس کا اہتمام کر کے لینا کہ ذرا بھی زیادتی نہ ہونے پائے اگر انتقام میں زیادتی ہوئی تو تم بھی ظالم ہو گے اور ظالم حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے(۴) اس کو سننے کے بعد جس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہے وہ ڈر ہی جائے گا اور رخصت پر عمل کرنے کی اسے جرأت ہی نہ ہوگی ایسا نہ ہو کچھ میری طرف سے زیادتی

(۱) دل کا بہلاوہ ہے (۲) عادۃً ممکن نہیں (۳) ''پس جس نے معاف کر دیا اور درگزر کی پس اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے'' سورۃ الشوریٰ: ۴۰ (۴) ناپسندیدہ

ہوجاوے اور میں محبوب حقیقی کی نظروں سے گرجاؤں بہت مشکل ہے کہ غصہ میں آدمی قابو میں رہے۔ اب ''سَیِّئَۃٌ مِثْلُھَا '' (برائی اس کی مثل) کی صورت صرف یہی ہے جو اس حکایت میں ہے ایک بزرگ سے ان کے مرید نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بزرگوں کے شیون (۱) مختلف ہوتے ہیں۔ میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں انہوں نے کہا فلاں مسجد میں جاؤ وہاں تین بزرگ مشغول بیٹھے ہیں (۲) ایک ایک دھول (۳) سب کے مارو اس نے ایسا ہی کیا ایک صاحب کے جو دھول ماری (۴) تو وہ اٹھے اور اس کا بھی ہاتھ پکڑ کر ایک دھول اسی طرح ماردی اور زبان سے کچھ نہ کہا اور جا کر بدستور ذکر میں مشغول ہوگئے۔ یہ ہے مِثْلُھَا ایک بات بطور جملہ معترضہ یہ بھی بیان کیے دیتا ہوں کہ یہ ان کا بدلہ لینا اس وجہ سے نہ تھا کہ ان سے ضبط نہ ہوا اور انہوں نے رخصت پر عمل کیا اور عزیمت کو چھوڑ دیا کیونکہ کاملین کو ضبط نفس پر کامل قدرت ہوتی ہے اور ان سب حضرات کا کامل ہونا ایک شیخ طریقت کی شہادت سے معلوم ہوچکا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض دفعہ بدلہ لے لینا ہی مصلحت ہوتا ہے کیونکہ بدلہ نہ لینے کی صورت میں دل میں غبار رہ جاتا ہے اور کینہ پیدا ہوجاتا ہے اور یہ آیت ذمیم خلق ہے (۵) جس سے اولیاء اللہ بہت ڈرتے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ بدلہ نہ لیں تو حق تعالیٰ بدلہ لیتے ہیں اور جب حق تعالیٰ بدلہ لیں گے تو اچھی طرح لیں گے تو وہ حضرات شفقت کرتے ہیں کہ خود بدلہ لے لیتے ہیں اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے غصہ سے بچاتے ہیں یہ مصلحت ہے بعض بزرگوں کے بدلہ لینے میں جو میں نے بطور جملہ معترضہ بیان کردیا۔ دوسرے بزرگ کے جو دھول ماری (۶) تو انہوں نے اس طرف دیکھا بھی نہیں ان کی نظر اس پر تھی کہ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست (۷) تیسرے صاحب کے جو دھول ماری تو انہوں نے یہ کیا کہ اٹھ کر اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور سہلانے لگا اور دم کیا کہ بھائی تمہارے ہاتھ میں چوٹ تو نہیں لگی، وہ اس شان کے تھے یہ بزرگوں کے شیون (۸) ہیں جن میں منہا کی صورت میں وہ ہے جو پہلے صاحب نے کیا۔ ہم جیسوں کے ساتھ یہ بات پیش آوے تو بدوں چار پانچ

(۱) احوال (۲) ذکر و تسبیح کرنے میں مشغول ہیں (۳) تھپڑ (۴) تھپڑ مارا (۵) برے اخلاق کی علامت (۶) تھپڑ مارا (۷) محبوب کی جانب سے جو بات بھی پیش آئے بہتر ہے (۸) بزرگوں کے احوال

لگائے کب مانیں پھر اگر اپنے برابر کے ساتھ ایسا کیا جاوے کہ مثلہا پر اکتفا نہ کی جاوے بلکہ جوش ختم ہونے تک برابر مارے جائیں تب بھی خیر ہے کیونکہ وہ بھی کچھ بدلہ ضرور لے گا تو کچھ ادھر کی زیادتی رہے گی اور کچھ ادھر کی غضب تو یہ ہے۔

بچوں پر ظلم

بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہوسکتا، بچوں پر جو ظلم ماں باپ سے یا میانجی صاحباں سے ہوتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچوں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانوروں کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہو اور جو کوئی کہے تو کہتے ہیں ہمیں اختیار ہے ہم اس کے باپ ہیں یاد رکھئے باپ ہونے سے ملک رقبہ(۱) حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا باپ کا رتبہ حق تعالیٰ نے بڑا بنایا ہے نہ اس واسطے کہ چھوٹے اس کی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے ہاں کبھی اس آرام دینے ہی کی ضرورت سے سزا اور تادیب کی حاجت بھی پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ''الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ'' (۲) کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں معین ہو نہ اتنی جو درجہ ایلام (۳) تک پہنچ جائے اور ماں باپ سے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے ماں باپ کو تو حق تعالیٰ نے محض رحمت بنایا ہے ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے اور میانجی (۴) صاحبوں کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں انہوں نے تو ایک مثل یاد کرلی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاد کی نہ معلوم یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ بعض دفعہ غصہ تو آتا ہے بیوی پر کیونکہ گھر میں لڑائی ہوئی تھی اب

(۱) وہ آپ کا غلام خرید کردہ نہیں بنجاتا (۲) ''ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتا ہے'' (۳) تکلیف کے درجہ تک (۴) مکتب کے اساتذہ

بیوی پر تو کوئی بس چلا نہیں وہ غصہ باہر بچوں پر اترتا ہے یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہوگیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی میانجی صاحبان یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اس کا جواب دینا ہوگا یہاں بچوں کی چمڑی آپ کی ہے وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی کیا تماشا ہوگا کہ وہ بچے جوان کے محکوم تھے علی روس الخلائق (۱) ان کو پیٹ رہے ہوں گے قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کے لیے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ بچے کے قوے (۲) کمزور ہوجاتے ہیں دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھی بھول جاتا ہے تیسرے جب بچہ پٹتے پٹتے عادی ہوجاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا اس وقت یہ مرض لاعلاج ہوجاتا ہے اور ساری عمر کے لیے ایک خلق ذمیم یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہوجاتی ہے الغرض غصہ میں کبھی تو ظلم ہوتا ہے جبکہ انتقام کی قدرت ہو اور جب انتقام کی قدرت نہ ہو تو کینہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً حسد پیدا ہوتا ہے پھر اس سے ایذا رسانی کی فکر ہوتی ہے (۳) پھر مکر وفریب کی عادت پڑ جاتی ہے یہ سب امراض ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور یہ سب اولاد ہے اسی ایک مرض کی جس کا نام کبر ہے اب تو آپ کو اس کی برائیاں معلوم ہوگئی ہوں گی۔

تکبر کی صورتیں

سب سے بڑھ کر بڑی بات تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی برائی جابجا بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۴) اور اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (۵) یہ تین صیغے ہیں مختال اور فخور اور مستکبرین اور تینوں کی نسبت لا یحب (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیا یہ جامع کلام ہے ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہوجاتے ہیں اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ مستکبر ہیں کیونکہ استکبار کے معنی ہیں بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اس کی

(۱) ساری مخلوق کے روبرو (۲) اعضاء (۳) تکلیف پہنچانے کی فکر ہوتی ہے (۴) ''اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے'' سورۃ النساء:۳۶ (۵) ''اللہ تعالیٰ غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتے ہیں'' سورۃ النحل:۲۳

نسبت فرماتے ہیں: اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر بھی ہوجاتا ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ (ہر غرور کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے) ایسا آدمی بعض دفعہ اس دھوکے میں رہتا ہے کہ مجھ میں تکبر نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے برائی کا کلمہ کہا جائے حالانکہ یہ فیشن اور وضع بنانا سب تکبر ہی ہے زبان سے نہ سہی مگر ان کی ہر ہر ادا سے تکبر ٹپکتا ہے بعضوں کی چال تو فیشن میں آکر بالکل ایسی ہوجاتی ہے جیسے لقا کبوتر اپنی دم کو سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا غرضیکہ ان افعال کا کرنے والا گو خود ان کو تکبر نہ سمجھے واقع میں ہیں سب تکبر ہی اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چھپادے مگر اہل فہم کو معلوم ہوجاتا ہے یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں ان کو فخور فرمایا، پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو اور فخور وہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے تو تین مرتبہ ہوئے ایک ''مستکبرین'' ایک ''مختال'' اور ایک ''فخور'' تینوں کے واسطے لفظ لا یحب فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ تکبر کا ظہور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے افعال سے سب کو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے) اور اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے منع فرمادیا ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی اب یہ سمجھئے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں فرمائی۔ صرف لا یحب (نہیں پسند کرتے ہیں) فرمادیا ہے سو اس کا جواب اول تو ہے کہ اس آیت میں نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے مثلاً اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ (۱) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید

(۱) ''کیا غرور کرنے والوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ہے'' سورۃ الزمر: ۶۰

ہے کہ لا یحب فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیونکہ وعید اسی پر ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک ہی بات تو ہے پس لا یحب اصل ہوگئی وعید کی بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو دشمنی ہے اس شخص سے جو متکبر ہے یا مختال ہے یا فخور ہے کیونکہ محبت گو لعنت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نقیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر اطلاقات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نقیض ہے لا یحب میں محبت کی نفی کرکے اس کی نقیض کا اثبات ہے(۱) تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت کا(۲) اثبات وعید نہیں بلکہ یہ تو وعیدوں کا اصل الاصول ہے اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید ہوتی وہ وعید کا ایک فرد خاص ہوتا اور اس میں تو کسی فرد کو عذاب کی خصوصیت نہیں رہی بلکہ وہ وعید فرمائی جو جڑ ہے تمام وعیدوں کی یعنی عداوت تو اس سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اس کی جزاء میں کسی فرد عذاب کی خصوصیت نہیں ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے سے بڑا عذاب اس جرم پر ہوسکتا ہے۔

حب اور بغض

رہی یہ بات کہ لا یحب سے اگر عداوت کا ثابت کرنا مقصود ہے تو پھر بجائے لا یحب کے یبغض (بغض رکھتے ہیں) کیوں نہ فرمادیا تاکہ تصریح ہوجاتی سو اس میں ایک نکتہ ہے اسی وقت قلب پر وارد ہوا کہ جو زیادہ تر طالب علموں کے کام کا ہے اور اگر سمجھ میں آجائے تو سب کے کام کا بھی ہے، بات ہے کہ افعال کے تین مرتبہ ہیں ایک محبوب ایک غیر محبوب گو مبغوض بھی نہ ہو ایک مبغوض یعنی ایک تو کسی کام کا پسند ہونا اور ایک ناپسند ہونا گو ناگوار بھی نہ ہو اور ایک ناگوار ہونا ظاہر ہے کہ تکبر قسم اول کا عمل تو ہے نہیں یعنی محبوب، قسمیں آخرین(۳) میں سے کسی ایک قسم کا عمل ہے اور دوسری آیتوں اور نیز حدیثوں پر نہ کرنے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ قسم اخیر ہی کا عمل ہے یعنی مبغوض ہے اس لیے کوئی طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ لا یحب کے بجائے یبغض(۴) ہے مگر

(۱) محبت کی نفی کرکے اس کی ضد کو ثابت کیا (۲) دشمنی کو ثابت کرنا (۳) آخری دو قسموں میں سے (۴) محاروات کی بنیاد پر لا یحب سے مقصود یہی ہے کہ اس سے بغض رکھتے ہیں

یہ کہ اس میں نکتہ کیا ہے سیدھا لفظ یبغض کیوں نہ لایا گیا یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا وہ نکتہ اس وقت سمجھ میں آیا جس کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو مذاق محبت رکھتا ہو دوسرا کوئی سمجھ نہیں سکتا اور مرتبہ علم میں کوئی سمجھ بھی لے تو اس کو حظ (۱) نہیں آسکتا اس کا پورا حظ وہی شخص پاسکتا ہے جس کے دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہو اس ہلکے لفظ کو اختیار کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ مبغوض ہونا تو بڑی بات ہے عاشق کے لیے تو لا یحب کا لفظ بھی مرجانے کی بات ہے ہائے وہ بندہ کیسے زندگی بسر کرتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کو محبت نہیں ہے، اللہ مرجانے کی بات ہے دنیا میں آدمی حکام کی اور محبوبین کی نظروں میں محبوب ہونے کے لیے کیا کچھ مصیبتیں اٹھاتا ہے دیکھئے سپاہی بادشاہ کے حکم سے جانبازی کرتے ہیں اور سر کٹواتے ہیں، صرف اس امید پر کہ بادشاہ ہم سے خوش رہے کسی نمک حلال نوکر کو جب یہ بات معلوم ہوجائے کہ آقا کو مجھ سے آج کل ہمدردی اور محبت نہیں ہے تو کیسا قلق (۲) ہوتا ہے خاص کر اس نوکر کو جس سے آقا کو پہلے محبت رہی ہو اس کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھ سے محبت کچھ کم ہوگئی تو دیکھیے اس پر کیا گزرتی ہے حالانکہ اس سے یہ تھوڑا ہی ثابت ہوگیا ہے مجھ سے آقا کو دشمنی ہوگئی ہے بلکہ صرف اسی مرتبہ کی نوبت آئی ہے جس کے واسطے لفظ لا یحب بولا جاتا ہے مگر یہی درجہ اس کی پریشانی کے لیے کافی ہے تو ایسے شخص کو اگر آقا کسی فعل سے منع کرنا چاہتا ہے تو ایسا لفظ نہیں اختیار کرنا چاہتا جو یبغض کا مرادف ہو بلکہ یہی لفظ انتہائی لفظ ہے کہ ہم کو یہ کام پسند نہیں اور انتہائی اس واسطے کہ اکثر تو ایسے نوکر کے لیے جس سے محبت کا برتاؤ رہا ہو اس لفظ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کسی لفظ کی بھی ضرورت نہیں، صرف آقا کی نظر کا پھرا ہوا ہونا کافی ہوتا ہے اسی سے اس کا دم فنا ہوجاتا ہے۔ یہ واقعات دن رات نظروں میں ہیں دیکھئے ایک پیش کار ایسا ہو جس سے کلکٹر کو کسی قدر انس ہو وہ اگر ایک دن اجلاس میں صرف اتنی بات نئی دیکھے کہ آج کلکٹر صاحب نے انس سے بات نہیں کی تو سہم کر رہ جاتا ہے اور احباب میں کہتا پھرتا ہے کہ آج صاحب کی نظریں کچھ پھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں خدا خیر کرے معلوم نہیں کیا بات خلاف طبع ہوئی اس صورت میں اگر کلکٹر صاحب زبان

(۱) لطف (۲) افسوس۔

سے کہہ دیں کہ ہم کو تمہارا فعل پسند نہیں پھر تو کیا کہنا مر ہی تو جاوے گا اور کبھی بھی اس کام کے پاس نہیں جائے گا اور یہ لفظ کہ ہم کو تمہارا فلانا کام پسند نہیں لا یحب ہی کا تو ترجمہ ہے جو حقیقت لغویہ کے اعتبار سے یبغض سے کم مرتبہ کا لفظ ہے مگر یہ اتنا اثر کیوں رکھتا ہے بات یہی ہے کہ جس کو تعلق ہے اس کے لیے تو یہی لفظ سب کچھ ہے اور تعلق نہ ہو تو کوئی لفظ بھی مؤثر نہیں یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں تو بڑے لوگوں کی ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت ہے ان کے واسطے تو یہ لفظ بیشک ایسا ہی ہے مگر ہم جیسے عوام کو اس لفظ سے کیا اثر ہوسکتا ہے۔

اللہ کی محبت

میں کہتا ہوں کہ بندہ کی غذا خواہ کسی قسم کا بندہ ہو، خدا تعالیٰ کی محبت ہے، خواہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف لے جاوے یعنی حق تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ محبت کرنا، خواہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف لے جاوے یعنی بندہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا دونوں بندہ کی غذائیں ہیں اور ان میں بھی اصل اول ہی ہے اور ثانی اس پر مرتب، کیوں کہ غور سے معلوم ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا محبت کرنا، بعد میں ہے اس کے پہلے یہی درجہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہوئی دیکھ لیجئے۔ صاف موجود ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (۱) یہ ثبوت تو آیت سے ہے کہ مشیت حق مقدم ہے مشیت عبد پر (۲) اور مشیت عبد میں مشیت محبت بھی داخل ہے وہ بھی موقوف ہوگی مشیت حق پر۔ پس اول حق تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ عبد مجھ سے محبت کرے اور حق تعالیٰ کا عبد کے ساتھ اس کی خیر کا ارادہ کرنا یہی محبت ہے حق تعالیٰ کی عبد (۳) کے ساتھ میں ایک ثبوت اور دیتا ہوں اس بات کا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اول حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ محبت ہو۔ وہ ثبوت یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ حق تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیونکہ نہ خدا کو کسی نے دیکھا نہ خدا کے نمونہ کو، کیونکہ

(۱) ''اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں'' سورۃ الدھر: ۳۰ (۲) اللہ کی چاہت بندے کی چاہت پر مقدم ہے (۳) بندے

نمونہ ہے ہی نہیں۔ ''ولیس کمثلہ شیء'' (کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے) مگر بایں ہمہ(۱) بہت آثار سے پتا چلتا ہے کہ محبت عبد بالحق (۲) کا وجود ضرور ہے ایک ادنیٰ سا نمازی مسلمان لیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تجھے ایک لاکھ روپیہ دیں گے ذرا ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو ہرگز منظور نہ کرے گا اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں لاکھ روپے سے زیادہ ہے ورنہ لاکھ روپیہ کیوں چھوڑتا۔ کوئی شاید یہ کہے کہ صلحاء مسلمین میں تو یہ بات ہے کہ جو نماز و دیگر عبادات کے پابند ہیں لیکن جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان کی حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محبت حق تعالیٰ کی ہوا بھی نہیں لگی کیونکہ لاکھ روپے تو دور ہے وہ تو بلا کسی لالچ کے ہی نماز چھوڑے بیٹھے ہیں۔ میں کہتا ہوں ان میں بھی محبت خدا تعالیٰ کی ایسی ہے جیسے نماز پڑھنے والوں میں، صرف ظہور میں فرق ہے ترک نماز کی عادت نے نماز سے غافل بنا دیا اس لیے نماز کے معاملہ میں تو ان سے محبت کا ظہور نہیں ہوتا مگر اس سے زیادہ کسی دوسرے موقع پر اس کا ظہور ہوجاتا ہے مثلاً دین کے لیے جان دینے کا موقع آن پڑے تو چاہے مسلمان کیسا ہی بے نمازی اور فاسق اور فاجر کیوں نہ ہو ہرگز تامل (۳) نہ کرے گا وہاں تو لاکھ روپیہ تھے یہاں تو جان کی پروا نہیں بلکہ بعض واقعات سے تو اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نماز روزہ کرنے والوں سے زیادہ عام مسلمانوں نے جانبازی کی ہے یہ تو سوچنے ہی میں رہے کہ جان دینا چاہیے یا نہیں اور انہیں کچھ پروا نہیں ہوئی، اندھے باوؤ لے ہوکر کود پڑے۔ نیز ہر شخص کو اپنی اولاد اور بیوی سے کیسی محبت ہوتی ہے لیکن اگر ان میں کوئی خدا و رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دے تو فاسق سے فاسق مسلمان کو بھی تاب نہیں ہوتی اور وہ اپنی اولاد کی گردن اتارنے پر تیار ہوجاتا ہے غرض ان سب حالات کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ مسلمان کو حق تعالیٰ کے ساتھ ضرور محبت ہے اور معمولی محبت نہیں بلکہ شدید محبت ہے جو بیوی بچوں سے کہیں زیادہ ہے جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب کوئی خدا کی شان میں کچھ کہہ دے اس وقت مسلمان کو بچوں کی بھی پروا نہیں ہوتی سو اتنی محبت بلا دیکھے اور بلا نمونہ دیکھے اور بلا آواز سنے کیوں کر ہوئی۔ یہ تو

(۲) اس سب کے باوجود (۳) بندے کی اللہ سے محبت کا وجود ضرور ہے (۴) سوچ بچار

ظاہر کہ خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نمونہ بھی نہیں دیکھا کیونکہ خدا تعالیٰ کا نمونہ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ حق تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ جیسا کہ وحی سے بتایا گیا ہے کہ حتی کہ ملحد نے کہا تھا کہ مسلمان جیسا خدا کو مانتے ہیں وہ تو نہ ماننے کے حکم میں ہے کیونکہ جب اس کی کوئی نظیر ہی نہیں تو اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ تصور نظیر ہی پر موقوف ہے اور جس کا تصور نہ ہوسکے اس کا ماننا ہی کیا ہے ہائے وہ الّو کیا جانے خدا کیا چیز ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جس کی نظیر نہ ہو اس کا وجود بھی نہ مانا جائے، آفتاب کی نظیر کون سی ہے کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ کسی جگہ دوسرا آفتاب بھی ہے یا کسی نے دیکھا ہے یا کسی زمانہ میں ہوا تھا۔ اسی طرح جس بات کو دلیل ثابت کرتی ہے اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہم نے دیکھا ہی نہیں اس لیے نہیں مانتے البتہ اگر اس پر اعتراض کرنا ہی ہے تو اس طرح کرو کہ دلیل کے کسی مقدمہ کو باطل کرو اور اگر مقدمات باطل نہ ہوسکیں تو نتیجہ کا ثبوت یقینی ہے خیر اس وقت اس ملحد کا جواب دینا مقصود نہیں۔ اس واسطے کلام کو کیوں طول دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ''ما خطر ببالك فهو هالك والله اعلى من ذلك ''(۱)

اسی کا ترجمہ یہ ہے

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم — وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم (۲)
مجلس تمام گشت وبپایاں رسید عمر — ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم (۳)

اور دوسرا ایک شعر ہے

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوزدم ورکش — حسن ایں قصہ عشق سر در دفتر نمیگنجد (۴)

ایسی شان ہے حق تعالیٰ کی پھر جو چیز خیال میں بھی نہ آوے اس کی محبت کیسے ہوسکتی ہے حتی کہ بعض اہل ظاہر نے تو کہہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت بالمعنی الحقیقی نہیں

(۱) ''ہر وہ وسوسہ جو تمہارے دل میں گزرتا ہے فنا ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے'' (۲) ''اے اللہ آپ ہمارے خیال وقیاس گمان وہم سے برتر ہیں اور اس سے بھی جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور سنا ہے'' (۳) '' دفتر ختم ہوگیا اور عمر آخر پہنچی ہم ایسے ہی تیرے وصف اول کے بیان میں ہیں'' (۴) ''قلم توڑ سیاہی کو پھینک کاغذ کو جلا اور خاموش رہ، اے حسن یہ عشق کا قصہ ہے دفتر میں نہیں سما سکتا''

ہوسکتی بس ارادہ طاعت ہی محبت ہے اس لیے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ارادہ عقلی سے عبادت کیے جائیں اس پر امام غزالی بہت خفا ہوکر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال عنین (۱) کی سی ہے جو کہتا ہے کہ عورت میں کچھ لذت نہیں سو جب کہ واقعات اور آثار اس بات کے شاہد ہیں کہ قلوب میں محبت خداوند موجود ہے پھر اس کا کیسے انکار کردیا جائے آخر ہم جو ایک انسان کی نسبت حکم لگادیتے ہیں کہ اس کو کسی انسان سے یا کسی چیز سے محبت ہے تو یہ حکم کیسے لگادیتے ہیں۔ محبت ایک قلبی شے ہے اس کے باوجود حکم لگادینا صرف آثار ہی دیکھ کر تو ہوتا ہے پھر جب محبت خداوندی کے آثار موجود ہیں اور ایسے آثار موجود ہیں جو کسی دوسری چیز کی محبت میں نہیں ہوسکتے تو وجود محبت خداوندی کا حکم لگانا غلط کیسے ہوسکتا ہے اور اگر یہ غلط ہے تو حیوانات اور انسانوں میں باہمی محبت کا حکم لگانا بھی غلط ہے کیونکہ اس کا مبنی بھی آثار ہی ہے۔ کسی نے دل چیر کر تو دیکھا ہی نہیں اگر دھوپ دیکھ کر کوئی حکم لگاوے کہ آفتاب نکل آیا ہے تو اس کی تغلیط (۲) کیسے کی جاسکتی ہے یہ تو بداہت بلکہ جس کا انکار ہے اسی طرح محبت خداوندی کا وجود اہل اللہ میں تو اس طرح پایا گیا ہے کہ ان میں تو اس کے آثار تھے ہی بعض دفعہ ان سے متعدی ہوکر آس پاس تک کو گھیر لیا ہے۔

اثر محبت

حضرت سمنون محب کا قصہ ہے کہ یہ کچھ محبت کا بیان کررہے تھے کہ ایک چڑیا ان کے قریب آبیٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد ان کی گود میں آبیٹھی اور تڑپنے لگی اور مرگئی دیکھئے کس درجہ محبت کا اثر ہے اب جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ بتائیں کہ کاہے کا اثر تھا جس نے جانوروں میں بھی آگ لگادی وہ انسان میں آگ لگادے تو کیا بعید ہے غرض اس کا انکار بالکل مکابرہ ہے (۳) ضرور اس کا وجود ہے اور ہر شخص میں ہے پھر اس کا ایک درجہ تو فطرۃ ہر چیز میں موجود ہے مگر انسان اس کا مکلف ہے کہ اس درجہ کو حاصل کرے جو اس کے اختیار پر رکھا گیا ہے جو لوگ اس سے محروم ہیں کیسے ہی متقی ہوں ان کا تقویٰ ذرا سی بات میں ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اہل محبت حضرات کے کہ ان کا تقویٰ بہت

(۱) نامرد (۲) اس کو غلط کیسے کہیں گے (۳) مقابلہ

مستحکم ہوتا ہے کیونکہ محبت کے اثر سے اعمال ان کی عادت بن جاتے ہیں پھر عادت سے طبیعت ثانیہ اور روح بن جاتے ہیں اور جن میں یہ نہیں وہ جہاں رہ گئے وہاں رہ گئے محبت کے ساتھ خدا کا راستہ بہت قریب ہے اور بلا اس کے بہت بعید ہے اسی واسطے عراقی کہتے ہیں:

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز ودور دیدم رہ ورسم پرسائی(۱)

بلا محبت کے بڑے بڑے مجاہدوں سے بھی کبھی تو ایک ضعیف سا اثر ہوجاتا ہے جیسا کہ ادنیٰ درجہ کی محبت والے کو بلا مجاہدہ کے ہوتا ہے اور کبھی اتنا بھی نہیں ہوتا بلکہ ساری عمر اعمال ناقص ہی ادا ہوتے ہیں اس کی نسبت کہا گیا ہے:

بز میں چو سجدہ کردم زز مین ندا برآمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی(۲)

بہ طواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی(۳)

یہ تو اعمال کی حالت ہے اور احوال کی حالت یہ ہے کہ جن کو محبت نہیں وہ بہت جلد گھبرا اٹھتے ہیں ذرا سا ابتلا ہوا اور قدم اکھڑ گئے اور محبت والے کی یہ حالت ہوتی ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۴)

کسی کو تکلیف ہوتی ہوگی ان کو تو مصیبت میں بھی لطف آتا ہے یہ محبت ہی کے آثار ہیں اگر تم میں محبت نہ ہو تو اس کا انکار تو مت کرو اہل محبت کے آثار کو دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ محبت الٰہی کا وجود ہے۔

گر نبودے نالہ نے راثمر نے جہاں را پر نہ کردے از شکر(۵)

بندگان خدا محبت والے موجود ہیں اگر ان میں محبت نہیں تو دوسرے ان کی صحبت سے کیوں کر اہل محبت ہوجاتے ہیں یہ طاقت محبت ہی میں ہے کہ آس پاس تک کو

(۱) ''مجھ کو تو طریق عشق میں چلایئے نراز ہد خشک تو بہت دور دراز کا راستہ ہے'' (۲) ''جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی تو نے سجدہ ریا کا کر کے مجھ کو بھی خراب کیا'' (۳) ''خانہ کعبہ کے طواف کے لیے گیا تو حرم نے مجھے راستہ نہ دیا اور کہا کہ تو نے حرم کے باہر کیا کیا جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے'' (۴) ''دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر سلامت رہے کہ اس پر خنجر آزمائی کریں'' (۵) ''اگر نالہ نے کا ثمرہ جو طلب ہے جس سے معرفت پیدا ہوتی ہے نہ ہوتا تو دنیا میں ہزاروں عارف بھرے پڑے ہیں کہاں سے آتے''

لپیٹ لیتی ہے محبت آگ ہے آگ کے اندر جو کوئی جاتا ہے وہ تو جلتا ہی ہے اور جو کوئی آگ کے اردوگرد ہوتا ہے گرم وہ بھی ہوجاتا ہے عقل میں اتنی قوت نہیں واللہ یہ قوت محبت ہی میں ہے۔ چنانچہ ایک اہل دل نے دونوں کو آزما کر کہا ہے:

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را(۱)

دیوانہ بنیں گے طعن سہیں گے، مصیبتیں جھیلیں گے مگر محبت وہ چیز ہے کہ کسی کا اثر نہ ہوگا اور یہی کہیں گے۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم(۲)

دیکھئے ادنیٰ سی بازاری مرد اور عورت یا ایک امرد کی محبت میں آبرو وغیرت سب فنا ہوجاتی ہے نہ مال کی پروار ہے نہ جاہ کی جب ایک نام عشق میں یہ حالت ہے تو حق تعالیٰ کے عشق میں جو واقعی عشق ہے اور سچا عشق ہے کیا حالت ہونا چاہیے جو کچھ بھی ہوجاوے کم ہے کیونکہ

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود(۳)

آثار محبت

غرض محبت کے آثار جہاں بھی ہوں وہاں کیسے قائل نہ ہوں کہ محبت کا وجود ہے تو یہ قول صحیح نہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت نہیں ہوسکتی دراصل ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت پر نظر کر کے یہ کہہ دیا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ محبت ایک تعلق کا نام ہے جس کے لیے موجود طرفین اور طرفین میں کچھ باہمی مناسبت کی ضرورت ہے اور بندہ اور خدا میں کیا مناسبت کہاں واجب اور کہاں ممکن، غالباً یہ اصل ہوگئی ہے متکلمین کے انکار کی مگر اس کا حل یہ ہے کہ بندہ بیشک اس قابل نہیں ہے کہ اس کو واجب کے ساتھ ایک طرف میں رکھا جاوے لیکن محبت کا امکان اس طرح پر ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کی محبت

(۱) ''میں نے عقل دوراندیش کو آزمالیا، جب اس سے کام نہ چلا پھر ہم دیوانہ بنے'' (۲) ''اگر ہم مفلس قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا پرواہے، یہی دولت کیا کم ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت سے مست ہیں'' (۳) ''محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو، اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے''

اس کے فعل سے نہیں بلکہ اس طرف سے شروع ہوئی حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے دل میں میری محبت ہو، بس ہوگئی، حق تعالیٰ کے ارادہ کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں اس لیے جس بندہ میں خدا تعالیٰ کی محبت دیکھو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کو بھی اسکے ساتھ محبت ہے مگر ظہور وخفا کا فرق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

عشق معشوقاں نہاں است دستیر عشق عاشق باد وصد طبل ونفیر(۱)
لیک عشق عاشقان تن زہ کند عشق معشوقاں خوش وفربہ کند(۲)

عاشق کی محبت پتہ دیتی ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہے مگر وہاں کوئی انفعالی(۳) اثر نہیں کیونکہ واجب الوجود پر کیا اثر ہوتا اسی واسطے اس کو ستیر(۴) کہا یعنی وجود تو ہے مگر کوئی اثر ظاہر نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں گو بہ نسبت ہست ہم ایں وہم آں(۵)

عارفین کے ان اقوال سے تائید ہوگئی ہے کہ بندہ کی محبت درحقیقت خدا تعالیٰ کی محبت ہے اور خدا تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ جو مظہر شان خداوندی ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اگر تمہیں ان سے محبت ہے تو وہ درحقیقت تمہاری طرف سے محبت ہے ورنہ کیا مجال تھی کہ تم ان کے پاس بھی بھٹک سکتے اگر ان کو تم سے تعلق نہ ہوتا تو قیامت تک تمہیں ان سے تعلق نہ ہوتا بلکہ نفرت ہوتی۔

نفرت فرعون تو میداں از کلیم(۶)

یعنی فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا نفرت تھی، خود حضرت کلیم کو اس سے نفرت تھی اگر وہ کشش کرتے تو فرعون کو مجال انکار نہ تھی، باقی ان کا کشش نہ کرنا، یہ حکمت الٰہیہ پر مبنی ہے۔

---

(۱) ''معشوق کا عشق پوشیدہ اور مخفی ہے، عاشق کا عشق ظاہر اور آشکارا ہے'' (۲) ''لیکن عاشقوں کا عشق دبلا کرتا ہے اور معشوقوں کا عشق موٹا اور فربہ کرتا ہے'' (۳) متاثر نہیں (۴) پوشیدہ (۵) ''جس کو عاشق دیکھو اس کو معشوق سمجھو، گو نسبت کے ساتھ یہ بھی ہے اور وہ بھی'' (۶) ''فرعون سے نفرت کرنا اللہ کی طرف سے سمجھتے رہو''

اہل اللہ کی محبت کے ثمرات

ایک بزرگ سے ان کے مرید نے اپنی محبت کا اظہار کیا فرمایا تمہیں کیا محبت ہوتی ہم کو ہی تم سے محبت ہے اگر ہم اپنی توجہ ہٹالیں تو کبھی ہمارے پاس نہیں آسکتے چنانچہ مرید کی تنبیہ کے لیے انہوں نے ایک بار توجہ ہٹالی، کئی مہینے تک پاس آنے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ تھا اسی شہر میں پھر توجہ کی آموجود ہوا، فرمایا دیکھا بھئی یہ ہے تمہاری محبت کی حقیقت اس پر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ جب ثابت ہوا کہ تمہاری محبت دراصل ان مقبولین ہی کی محبت ہے جو تمہارے ساتھ ہے تو اس میں ایک اور بڑی بشارت ہے وہ یہ کہ معلوم ہوا کہ آپ ان کے دل میں رہتے ہیں اور ان کے دل تجلی گاہ حق ہیں تو تمہاری حالت کچھ بھی ہو مگر ان شاء اللہ انوار تجلی سے محروم نہ رہو گے۔ اس واسطے کوشش کرو کہ کسی کے دل میں جگہ کرلو اور اس بات کا پتہ کہ محبت انہیں کی طرف سے ہوتی ہے ان کے برتاؤ سے پتہ چلتا ہے اتنی محبت مرید کی طرف سے نہیں ہوتی، جتنی ان کی طرف سے ہوتی ہے اہل اللہ اپنے متبعین پر گویا فدا ہوتے ہیں ہمارے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر اب میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں، پھر خود ہی فرمایا کہ اشرف علی کے ہاں ٹھہروں، دیکھئے کسی عزیز قریب کا نام نہیں لیا، لیا تو ایک خادم ہی کا نام لیا، یہ شفقت ہوتی ہے بزرگوں کے خدام پر ایک مرتبہ حضرت نے میری اہلیہ کو ایک کپڑا بطور تبرک دیا، اس پر ایک خادمہ نے عرض کیا کہ فلانی آپ کی رشتہ دار پوتی ہے اس کے لیے بھی دیجئے فرمایا ہم کسی بیٹی پوتی کو نہیں جانتے ہمارے پوتے وہی ہیں جن کو اللہ کے لیے ہم سے تعلق ہے۔

اہل اللہ کی رشتہ داروں سے محبت

اس کے معنی یہ نہیں کہ اولاد اور رشتہ داروں سے ان کو تعلق نہیں ہوتا، ان کو تعلق سب سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی ان کے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرے تو اول جوش انہیں کو ہوگا کیونکہ ادائے حقوق ضروری ہے اور اہل اللہ سے بہتر کوئی ادائے حقوق نہیں کرسکتا کیونکہ یہ حقوق کو شریعت کے موافق ادا کرتے ہیں اور شریعت سے بہتر کوئی حقوق

کونہیں جان سکتا اور وہ جوش بجا ہوتا ہے کیونکہ کسی شخص کے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس شخص کے ساتھ محبت نہ ہو، رشتہ دار تو بڑی چیز ہیں ادنیٰ تعلق جس چیز کو محبوب کے ساتھ ہوتا ہے محب کے نزدیک وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔ دیکھئے سگ لیلیٰ کے ساتھ مجنون نے کیا برتاؤ کیا اس کو گود میں اٹھالیا، کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ کہتا ہے:

پاسبان کوچہ لیلیٰ است ایں(۱)

محبت ایسی ہی چیز ہے یہ وجہ اہل اللہ کے اس غصہ کے بجا ہونے کی حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے کے ساتھ بعض خلفاء شیخ نے بدسلوکی کی تو شیخ کو بڑے غصہ کا خط ان کے پاس گیا، ان کا غصہ دراصل ان رشتہ داروں کی طرف داری سے نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مدعی محبت کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اس تصنع (۲) سے وہ بھڑک اٹھتے ہیں تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل اللہ کو اولاد سے کوئی تعلق نہیں یا ان کو ہم سے بھی زیادہ تعلق ہوتا ہے چنانچہ ہمارے وطن میں ایک معلمہ کے پاس ایک لڑکی پڑھنے آئی، وہ لڑکی سید کی تھی، تو اس معلمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور کہا ہماری بچی آئی ہے اس پر اچھی طرح توجہ رکھنا، دیکھئے کتنے بعید رشتہ کا یہ خیال ہے۔ غرض اہل اللہ کو عزیز واقارب سے بھی محبت ہوتی ہے اور متبعین سے بھی ہوتی ہے اور انہیں کی محبت کا عکس متبعین کی محبت میں دکھائی دیتا ہے اس کے ساتھ تمہاری محبت دراصل ان کی محبت تمہارے ساتھ ہے تو گو اس وجہ سے کوئی ظاہر پرست محبت کا انکار کردے کہ کہاں بندہ اور کہاں خدا۔ بندہ کا کیا منہ ہے کہ خدا سے تعلق جوڑے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ تعلق بندہ نے نہیں جوڑا بلکہ خدا تعالیٰ نے جوڑا ہے تو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے غرض خدا کی محبت کا وجود قلوب میں ہے اور ضرور ہے اور خدا کی محبت تو بندہ کی غذا ہے خواہ محبت کو مصدر معروف کہو یا مجہول کہو کوئی صورت بھی ہو محبت خدا بندہ کی حیات روحانی کے لیے شرط ہے جیسے غذا حیات بدنی کے لیے شرط ہے، بے غذا کے زندگی نہیں رہ سکتی۔ جب محبت بندہ کی غذا ٹھہری تو اس کی ضد یعنی بغض

(۱) ''یہ لیلیٰ کے کوچہ کا چوکیدار ہے'' (۲) اس بناوٹ کی وجہ سے ان کو غصہ آیا

تو بڑی چیز ہے بلکہ عدم محبت بھی مرنے کے لیے کافی ہے جیسے مرنے کے لیے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھالیا جاوے بلکہ غذا کا بند کر دینا کافی ہے تو جس چیز کے لیے یہ کہا جائے کہ یہ محبت کی ضد یعنی بغض پیدا کرنے والی ہے وہ تو سب سے بدتر چیز ہوگی وہ چیز کبر ہے یہ حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔

تواضع

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) میں اسی کو بیان فرمایا گیا ہے ''لا یحب بمعنی یبغض'' ہے اور نکتہ اس میں وہ ہے جو بیان ہوا کہ اپنی محبوبیت اور بندہ کی محبت پر نظر کر کے یہ یبغض کی ضرورت ہی نہیں لا یحب ہی کو کافی قرار دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ کبر مبغوض ہے(۱) اور بدترین چیز ہے جب یہ ایسا ہے تو اس کا مقابل بہترین اشیاء اور حق تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوگا اور وہ تواضع ہے تواضع فی نفسہ بھی محبوب ہے اور اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ تواضع کبر کا علاج ہے اور کبر کا علاج ضروری ہے کیونکہ یہ بدترین مرض اور ام الامراض ہے اور یہ مرض عام ہے تو بیان تواضع کا اختیار کرنا مفید عام مضمون ہوا۔ اس واسطے اس حدیث کو اختیار کیا گیا ہے حاصل یہ کہ کبر کا علاج تواضع ہے اب ضروری ہے کہ تواضع کے معنی بیان کیے جائیں۔

تواضع کی حقیقت

میں مختصراً اس کی حقیقت بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ تواضع کی حقیقت عوام جہلاء میں تو یہ ہے کہ مہمان کی خاطر کی جاوے، پان پتہ اس کے سامنے رکھا جاوے، کھانا کھلایا جاوے، نرم زبان سے بولا جاوے اس کے لیے دوسرا لفظ خاطر کرنا ہے، کہتے ہیں فلاں آدمی بڑی خاطر کا آدمی ہے اسی کو ذرا پڑھے لکھے مگر جاہل ہی یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلانے کے یہاں مہمان کی بڑی تواضع ہوتی ہے۔ بہرحال یہ معنی تو عرفی ہیں اور حقیقی معنی سے یہ معمولی لیاقت کے لوگ بھی واقف نہیں حتی کہ نئے لوگوں میں جو

(۱) تکبر اللہ کے غضب کا باعث ہے

اعلیٰ درجہ کے نئے تعلیم یافتہ ہیں بی اے اور ایم اے والے وہ بھی اس حقیقی معنی سے بے خبر ہیں بلکہ وہ تو لفظ بھی صحیح نہیں بولتے کیونکہ اردو زبان کی شائستگی فارسی سے پیدا ہوتی ہے جس سے یہ لوگ بے بہرہ ہیں بلکہ اردو کا املا تک ان کا غلط ہوتا ہے چنانچہ ایک تعلیم یافتہ سب جج نے ایک فریق کے اظہار قلمبند کرنے میں اعتراض ''ز'' سے لکھا تھا، اس فریق نے دیکھ کر اعتراض کیا کہ اعتراض ز سے نہیں ہے کہا غلطی ہوئی ظ سے ہے تو یہ لوگ الفاظ تک غلط بولتے ہیں تواضع کو توازے بولتے ہیں۔غرض اس کے صحیح معنی سے یہ لوگ سب کے سب نا آشنا(۱) ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ لفظ سے بھی نا آشنا اور بعضے لفظ جانتے ہیں مگر معنی سے نا آشنا ہیں اچھی طرح جان لیجئے کہ تواضع لفظ عربی ہے اور جن معنوں میں عوام نے استعمال کیا ان معنوں میں تو عربی زبان میں یہ لفظ کہیں آیا ہی نہیں اس پر ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک دیہاتی لڑکا تھا اس نے ایک استاد سے کریما(۲) شروع کی جب یہ شعر آیا

دلاگر تواضع کنی اختیار شود خلق دنیا ترا دوستدار(۳)

استاد نے پوچھا جانتے ہو تواضع کس کو کہتے ہیں کہا اجی ہاں! یہی پان پتہ دے دینا یہ تو ایک گنوار کی بات ہے پڑھے لکھوں کے نزدیک جو معنی ہیں وہ بھی اسی کے قریب قریب ہیں، صرف لفظ دوسرے ہیں ان کے نزدیک تواضع کے معنی ہیں نرمی سے بولنا، جھک جھک کر سلام کرنا، جھوٹی باتیں بنانا، حقیقت سے دونوں دور ہیں۔صاحبو! اس کے معنی حقیقت میں اپنے آپ کو پست سمجھنا ہیں، نہ پست بنانا، یہ جھک جھک کر سلام کرنا اور باتیں بہ تکلف پست بنانا ہے یعنی بناوٹ ہے نہ حقیقت بلکہ حقیقت میں تو آج کل تواضع تکبر ہے جو تواضع کی ضد ہے اور اس پر تعجب نہ کیجئے کیونکہ میں ایک امتحان بتاتا ہوں جس کسی کو آپ بہت متواضع دیکھیں جو بار بار جھک جھک کر سلام کرتے ہوں اور بہت ہی منکسر النفس ہوں اور ہر شخص سے آپ اور جناب سے بات کرتے ہوں اور اپنے آپ کو یہ کہے کہ میں کس قابل ہوں، میں تو محض نالائق ہوں تو جس وقت وہ یہ کہیں کہ میں

(۱) ناواقف (۲) فارسی کتاب (۳) ''یعنی اے دل اگر تواضع اختیار کرے تو تمام مخلوق تیری دوست بن جائے''۔

نالائق ہوں اس وقت آپ ذرا کہہ دیجئے ہاں صاحب واقعی آپ تو نالائق ہیں پھر دیکھیے وہ کتنا ناچتے ہیں اور امید تو ہے کہ ساری عمر کے لیے دشمن ہوجائیں گے۔ اگر یہ بناوٹ نہ تھی اور جھوٹ نہیں تھا اور وہ دل سے یہ الفاظ کہتے تھے تو یہ غضب اور کینہ کیوں ہوا۔ معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو نالائق صرف اس واسطے کہا جاتا ہے تاکہ دوسرا ان کی زیادہ تعریف کرے کہ فلانے بڑے متواضع ہیں اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تو صورت تو تواضع کی ہے مگر حقیقت میں بڑا بننا اور تکبر کرنا مقصود ہے جو تواضع کی ضد ہے اور جو واقعی متواضع ہیں وہ ایسے تصنع کے الفاظ کبھی نہیں کہتے اس لیے ان کی نسبت اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ ان میں تواضع اور اخلاق نہیں ہیں کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے۔ صاحبو! ان میں بناوٹ نہیں، سچے اخلاق ہیں جھوٹے نہیں، ان کا تو حکیمانہ قول یہ ہے کہ اگر کوئی منہ پر تعریف کرے تو اس تعریف سے نہ انکار کرو، نہ اس کو منع کرو کیونکہ اس سے اور زیادہ تعریف کرے گا اور دوسرے دیکھنے والے بھی تمہارے معتقد ہوجائیں گے بلکہ خاموش ہورہو وہ اپنا سا منہ لے کر خود خاموش ہوجاوے گا اور سب سمجھیں گے یہ بالکل بے حس آدمی ہے جو تعریف سے کچھ بھی خوشی ظاہر نہیں کرتا، بت بن کر بیٹھ گیا، پھر آئندہ نہ کوئی تعریف کرے گا نہ عقیدت مند ہوگا، یہ ہے حقیقی تواضع۔

آج کل کا دستور

آج کل ایک اور طریقہ نکلا ہوا ہے پہلے لوگ تو جب کوئی ان کی تعریف کرتا تھا انکسار کے الفاظ کہتے تھے کہ جناب میں اس قابل کہاں ہوں آپ بناتے ہیں۔ من آنم کہ من دانم (۱) یہ اگر بناوٹ ہی تھی مگر خیر صورت تو تواضع کی تھی اور اب طریقہ نکلا ہے کہ اپنی تعریف کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ میں اس عنایت کا نہایت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ کو ان القاب سے نوازا، مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی الفاظ سے مجھے یاد کیا کیجئے اور میں اس قابل ہوں اس میں صورت بھی تواضع نہیں رہی کھلا ہوا تکبر ہے۔ غرض تکبر کھلا ہوا ہو یا ڈھکا ہوا چھپتا نہیں ہے۔ برتاؤ سے حال معلوم ہوجاتا ہے پھر جیسا واقع

(۱) میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں۔

میں ہوتا ہے ویسا ہی حکم کیا جائے گا اگر واقع دل میں بڑا بننا چاہتے ہو تو چاہے نالائق بنو یا خاکسار بنو تکبر ہی کا حکم ہوگا اور اگر دل میں پستی اور انکسار ہے تو خواہ کوئی لفظ بھی زبان سے نہ کہو اور مدح (۱) سن کر متکبرین کی طرح خاموش ہی بیٹھے رہو، تب بھی تکبر نہیں تواضع ہی ہے ہمارے ایک بزرگ استاد تھے، ان کی عادت تھی کہ جب کوئی ان کی تعریف منہ پر کرتا ہے تو خاموش محض ہوجاتے ہیں اس سے ناواقف دیکھنے والا یوں سمجھتا کہ یہ اپنے آپ کو اس تعریف کا اہل سمجھتے ہیں اور یہ تکبر ہے مگر دوسرے وقت ان کی یہ حالت تھی کہ دیوبند کے قریب املیا ایک گاؤں ہے اس میں آموں کی دعوت ہوئی۔ داعی نے سواری تک نہیں بھیجی یہ بزرگ مع رفقاء کے پیدل چلے گئے جب وہاں سے آم کھا کر چلنے لگے تب بھی بلانے والے نے سواری کو نہ پوچھا، پیدل ہی چلتے چلتے وقت گھر والوں کے واسطے اس نے آم دیئے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کو اوروں سے زیادہ حصہ دیا ہوگا، مولانا نے اپنا حصہ لنگی میں باندھ لیا۔ مولانا دہلی میں شہزادوں کی گودوں میں پلے ہوئے تھے اور بہت نازک بدن تھے بوجھ لے چلنے کی عادت کہاں، اس گٹھڑی کو کبھی اس ہاتھ میں لیتے اور کبھی اس ہاتھ میں لیتے، بمشکل دیوبند کے قریب پہنچے۔ جب بازار کے قریب پہنچے تو تھک کر اس گٹھڑی کو سر پر رکھ لیا تو بڑا آرام معلوم ہوا۔ تو فرماتے ہیں کہ میاں پہلے سے یہ ترکیب سمجھ میں نہ آئی بڑے آرام سے آتے، سر پر گٹھڑی رکھے ہوئے چلے جاتے ہیں اور دونوں طرف سے سلام ہوتے جاتے ہیں اور مصافحے ہوتے جاتے ہیں اور مولانا بے تکلف چلے جاتے ہیں۔ مدرسہ تک اسی طرح چلے گئے راستہ میں معتقدین نے لینا بھی چاہا مگر کسی کو نہیں دیا۔ ہشاش بشاش (۲) ذرا طبیعت پر بار نہیں تھا۔ لوگ عموماً وضع کی پابندی کو اچھا سمجھتے ہیں اور اس کو ضروری کہتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی عادت تاوقتیکہ خلاف شرع نہ ہو گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں اکثر اوضاع کی بناء ترفع پر ہے (۳) البتہ اگر کسی میں ترفع نہ ہو اور اس میں یہ بات پیدا ہوگئی ہو جو مولانا میں تھی کہ کسی وقت اپنی وضع کے خلاف کام کرنے پر نفس کو ذرا رکاوٹ نہ ہو تو وہ شخص متکبر نہیں اور اسکی عادات بھی بری نہیں ورنہ پابند وضع یقیناً متکبر ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سب پانچ پانچ سیر بوجھ ہی لادو

(۱) تعریف (۲) خوش بخوش (۳) اکثر خاص قسم کی وضع اختیار کرنے کا سبب خود کو بڑا ظاہر کرنا ہی ہوتا ہے

مگر کچھ تو کرو اخلاق کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔

صحبت بزرگان

ہماری طرف ایک بزرگ مولانا مظفر حسین صاحب تھے وہ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے، تہجد سفر میں بھی قضا نہ کرتے تھے اس وقت ریل نہ تھی لوگ بہلیوں (۱) میں سفر کیا کرتے تھے۔ مولانا اس میں بھی تہجد پڑھتے تھے مگر کبھی اس ضرورت کے لیے بہلی کو ٹھہرایا نہیں کیونکہ اس سے دوسرے رفقاء کا حرج ہوتا یا کم از کم گاڑی بان کا تو حرج ہوتا اور عارفین کسی کی کلفت کو کبھی گوارا نہیں کرتے بس یہ کرتے کہ گاڑی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے جب گاڑی نزدیک آتی آگے بڑھ جاتے پھر دو رکعت پڑھ لیتے، اسی طرح تہجد ختم کرتے۔ بھلا آج تو کوئی شیخ صاحب کر کے دکھاویں اور تو سفر میں تہجد ہی کون پڑھتا ہے اور کسی کو شوق ہوا تو بس بہلوان (۲) کمبخت کی مصیبت ہے کہ گھنٹہ بھر تک گاڑی روکے کھڑا رہے، تہجد اور راحت رسانی مخلوق دونوں کو جمع کر کے دکھاؤ۔ ان ہی مولانا مظفر حسین صاحب ہی کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا دہلی سے کرایہ کی ایک بہلی میں چلے، گاڑی بان سے دیہاتیوں کی طرح باتیں کرتے رہے تاکہ وہ مانوس ہوں کیونکہ رفیق سفر کو مانوس کرنا بھی حق رفاقت ہے پھر اس سے باتوں باتوں میں معلوم ہوگیا کہ یہ بہلی رنڈی کی ہے مولانا کو بڑی وحشت ہوئی کیونکہ آپ بڑے متقی تھے، ان کا تقویٰ مشہور ہے وہ ایسی گاڑی میں کیوں کر سوار ہو سکتے ہیں جو حرام کمائی سے تیار کی گئی ہو مگر کمال یہ ہے کہ آپ نے اترنے میں جلدی نہیں کی۔ سنتے ہی فوراً نہیں اتر پڑے اس خیال سے کہ گاڑی بان کی دل شکنی نہ ہو، تھوڑی دور جا کر پیشاب کے بہانے سے اترے پھر اس سے کہا کہ اب تو پیدل چلنے کو جی چاہتا ہے گاڑی بان سمجھ گیا اور عرض کیا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اب بہتر ہے مجھ کو رخصت فرمائیے، فرمایا یہ نہیں ہوسکتا، میرے کرایہ کے سبب ممکن ہے کہ کوئی کرایہ لوٹ گیا ہو تو یہ خسارہ مجھ کو گوارا نہیں، اسی طرح کاندھلہ تک بہلی لائے اور خود پیادہ تشریف لائے یہاں پہنچ کر پورا کرایہ

(۱) بیل گاڑیوں میں (۲) بیل گاڑی چلانے والا

دے کر رخصت کیا۔ یہ کمال یہ باتیں بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ حضرت صحبت میں رہ کر دین آتا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتاب سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کیے بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آسکتا۔ دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین ان ہی نخروں سے آتا ہے، اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے، اکبر ایک اچھے شاعر تھے ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے اس کا مصرعہ ہے:

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

انداز تربیت

یہ بات بالکل سچ ہے اہل اللہ میں ایک کمال یہ ہوتا ہے کہ تقویٰ کے ساتھ کسی کی دل شکنی نہیں کرتے ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی ہاں اگر کوئی اصلاح کی استدعا کرے تو اس کی ضرورت سے تنبیہ اور پوری سیاست کرتے ہیں کیونکہ بلا اس کے اصلاح نہیں ہوسکتی یہ ایسا ہے جیسے فصاد(۱) زخم کا علاج کرتا ہے کہ جہاں چیرے کی ضرورت ہے اگر وہاں وہ زخم نہ کرے تو باعث ضرر ہے اور ایسے زخم کی صورت میں فصاد کو رحم دل نہ کہا جائے گا بلکہ ظالم کہیں گے اس لیے جہاں اصلاح میں سیاست کی ضرورت ہو وہاں اہل اللہ پوری سیاست کرتے ہیں مگر سیاست میں بھی امکان بھر نرمی کا پہلو نہیں چھوڑتے۔ ان ہی بزرگوں کا یعنی مولانا مظفر حسین صاحب کا قصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا غسل کرنا چاہتا تھا۔ مؤذن نے اس کو ڈانٹا اور کہا نماز کے نہ روزے کے مسجد میں نہانے کے لیے آجاتے ہیں ان بزرگ نے ڈانٹنے والے کو منع کیا اور خود اس کے نہانے کا پانی بھرنا شروع کر دیا اور اس سے کہا ماشاء اللہ تم تو بڑے پہلوان معلوم ہو ویسے ہو ویسے تو زور بہت کرتے ہو، ذرا نفس کے مقابلہ میں بھی تو زور کیا کرو، نفس کو دبایا کرو اور ہمت کر کے نماز پڑھا کرو۔ پہلوانی تو یہ ہے بس وہ شخص پانی پانی ہوگیا اور بہت شرمایا، اسی وقت سے نماز کا پابند ہوگیا۔ اسی طرح ان ہی مولوی صاحب کا قصہ ہے

(۱) پچھنے لگانے والا جراح

کہ انہوں نے ایک رئیس سے کہا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، انہوں نے کہا کہ نماز تو پڑھ لیں مگر وضو کی پخ ایسی ہے کہ ہمارے بس کی نہیں، بار بار واڑ کو اتار کر چڑھائے یہ رئیس واڑھی چڑھانے کے عادی تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ بے وضو نماز پڑھ لیا کریں مگر پابندی کے ساتھ پڑھئے۔ رئیس نے کہا کہ بے وضو نماز پڑھنے سے گناہ تو نہ ہوگا فرمایا آپ بے فکر رہیں اگر گناہ ہوگا تو مجھے ہوگا، آپ تو میرے کہنے سے پڑھیں گے اب کیا تھا مجبوراً نماز شروع کرنا پڑی اور مولوی صاحب کی یہ برکت تھی کہ اول ہی وقت یہ بات خیال میں آئی کہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ بدون (۱) وضو نماز نہیں ہوتی یہ تو ان کی شفقت تھی کہ مجھ کو راہ پر لگا دیا اور قطع حجت کے لیے یہ گنجائش دے دی تو بے وضو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور خود مولوی صاحب کو بھی یہی مقصود تھا اور ان رئیس کے فہم پر اعتماد تھا تو وہ گنجائش صرف صورۃً تھی، حقیقتاً نہ تھی۔ پھر جب بار بار داڑھی چڑھانے میں وقت معلوم ہوئی داڑھی بھی چھوڑ دی، بس اہل اللہ میں اس قدر شفقت ہوتی ہے کہ خلق خدا کو اولاد کے برابر اور بھائیوں کے برابر سمجھتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھو کہ غیروں سے ہرگز سختی نہ کرو ہاں جس پر تمہاری حکومت ہو اس کے ساتھ سیاست سے کام لو ہر جگہ سختی نہ کرو، یہ شفقت ہی کا اثر ہے کہ اسلام اس قدر پھیلا۔

حقانیت اسلام

چنانچہ حضور ﷺ کی شفقت کے متعلق ارشاد ہے: وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ یعنی اگر آپ بدگو اور سخت ہوتے تو کوئی بھی آپ کے پاس نہ پھٹکتا سب ادھر ادھر بھاگ جاتے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ آپ کے پاس مسلمانوں کا بہت اجتماع تھا تو معلوم ہوا کہ آپ بدگو اور سخت نہ تھے جیسا کہ تاریخ سے بخوبی ثابت ہے یہ وجہ ہے اجتماع کی اور حیرت ہے کہ آج کل بعض لوگ تاریخ کو بھی نہیں دیکھتے اور بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر (۲) پھیلا اس کا جواب مولانا محمد قاسم صاحب نے خوب دیا تھا کہ شمشیر کے لیے شمشیر زن کہاں سے آئے تھے

(۱) بغیر (۲) تلوار کے زور سے

اگر وہ شمشیرزن بھی بزور شمشیر آئے تھے تو یہ سلسلہ تسلسل کو مستلزم ہے لا محالہ کہیں کہنا پڑے گا کہ شمشیرزنوں میں اسلام بلا زور شمشیر آیا تھا۔ جب کچھ لوگوں میں اسلام بلا زور شمشیر آیا تو اوروں میں اس طرح آنے سے کون سی چیز مانع ہے پس ثابت ہوگیا کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا اسلام تو اصلاح کے لیے اور تلوار رفع شر کے لیے ہے نہ کہ اصلاح کے لیے جہاد سے اشاعت اسلام مقصود نہیں بلکہ حفاظت اسلام مقصود ہے لوگ ان دونوں میں فرق نہیں سمجھتے اس کے لیے خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں جن لوگوں کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلایا۔ ان کے حالات دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام تلوار سے پھیلایا یا اپنی پاکیزہ تعلیم سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر کے سردار تھے، ایک جگہ جنگ میں عیسائیوں سے عارضی صلح ہوئی ایام صلح میں لشکر اسلام کے سپاہی کے ہاتھ سے ان کے بادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوٹ گئی، عیسائیوں کو سخت ناگوار ہوا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ اس وقت تو مسلمان کا پلہ ہر طرح سے غالب تھا۔ یہ ممکن تھا کہ سماعت بھی نہ کرتے بلکہ اس تصویر کو بھی اکھاڑ کر پھینک دیتے مگر اسلامی تعلیم کا اثر دیکھئے کہ انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور کہا کہ ہم نے قصداً ایسا نہیں کیا اور ہم اس کا بدلہ دینے کو تیار ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے کہ اس تصویر کے بدلے تم میری آنکھ پھوڑلو۔ بس فوراً ہی مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں، یہ اخلاق تھے جنہوں نے اسلام کو پھیلایا اور آنکھیں بند کرکے تو جس کا جی چاہے کہہ لے، میں کہتا ہوں کہ تلوار کے زور سے اگر اسلام پھیلایا بھی جائے اور بزور کسی کو مسلمان بھی کیا جائے تو اس کا اسلام ایسا ہونا چاہیے کہ تلوار ہٹتے ہی ندارد ہوجائے وہ کون چیز تھی جو تلوار ہٹنے کے بعد بھی اسلام کو قلوب میں برقرار رکھتی تھی وہ اسلام کی حقانیت ہی تھی کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھنے کے بعد جان جاتی رہے مگر اسلام نہیں چھوٹ سکتا اور پھیلانے کا ذریعہ اخلاق تھے جس کا نمونہ مولانا مظفر حسین صاحب کے بعض واقعات سے معلوم ہوا ہے۔

مولانا مظفر حسین کی تواضع

انہی بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ راستہ میں ایک بوڑھے کو دیکھا کہ بوجھ سر پر لئے ہوئے آرہا ہے اور تھک گیا ہے آپ سے نہ رہا گیا اس سے کہہ سن کر اس کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا حالانکہ خود بھی جوان نہ تھے، اس نے کہا بھی کہ میاں جی تم بھی بوڑھے ہی ہو کہا کہ میں اول تو تجھ سے کم بوڑھا ہوں دوسرے تازہ دم ہوں اس کا بوجھ لیے دور تک چلے گئے اور اس سے باتیں کرتے رہے اس نے کہا کہ میں مولوی مظفر حسین سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں سنا ہے کہ وہ آج کل ادھر آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میں ان سے ملادوں گا یہاں تک کہ جب اس کے گاؤں میں پہنچ گئے وہاں پہنچ کر پھر اس نے کہا کہ بھائی یاد رکھو مجھ کو مولوی مظفر حسین سے ضرور ملائیو اس وقت فرمایا کہ مظفر حسین تو میں ہی ہوں وہ نہایت شرمندہ ہوا اور ان کے قدموں میں لوٹنے لگا، مولانا نے کہا کہ بھائی شرمندگی کی کیا بات ہے ایک مسلمان کا کام کر دیا تو کیا ہو گیا اور انہی مولانا کی حکایت ہے جو بالکل اس کی مصداق ہے۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است وجنگ(۱)

ایک قصبہ ہے بیڈولی کسی سفر میں مولانا وہاں پہنچے اور سرائے میں ٹھہرے وہاں ایک مہاجن بھی مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے، اس نے مولانا سے سب پتہ وغیرہ پوچھا جیسے آپس میں مسافر پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے مولانا نے فرمایا کہ میں صبح کو فلاں جگہ جاؤں گا۔ چنانچہ مولانا شب کو تہجد پڑھ کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اس بنیے کی جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا تو لڑکے کے ہاتھ میں کڑے ندارد، حضرت مولانا نہایت غریبانہ حالت سے دیکھ رہے ہیں، بنیے نے خیال کیا کہ ضرور غریب سا آدمی جو یہاں

(۱) ''یعنی میں نے سنا ہے کہ مردان راہ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا ہے تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہوسکتا ہے اس لیے کہ دوستوں کے ساتھ بھی تیری لڑائی اور ان سے مخالفت ہے''

ٹھہرا ہوا تھا کڑے اتار کر لے گیا، اس نے پتہ تو مولانا سے پوچھ ہی لیا تھا، بس اٹھ کر سیدھے اس کی طرف کو ہولئے، مولانا جاہی رہے تھے بنیے نے آواز دی، حضرت نے فرمایا کہ بھائی کیوں کیا ہے اس نے پاس جا کر ایک گھونسا لگایا اور کہا کڑے لے کر چلے آئے اور کہتے ہیں کیا ہے، چلو تھانہ کو اس پر حضرت نے جی میں کہا کہ تو کیوں ایسی حالت میں رہتا ہے جو اس کا تیری طرف ایسا خیال ہوا تیرا علاج یہی ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ بھائی چل چنانچہ چلتے چلتے جھنجانہ کے قریب آئے تھانہ آبادی کے باہر تھا، تھانیدار مولانا کا معتقد تھا جوں حضرت مولانا کو دور سے دیکھا، سروقد تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا، اب تو بنیا گھبرایا اور سمجھا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں، مولانا نے فرمایا ڈرومت میں تجھے کچھ نہ کہنے دوں گا۔ چنانچہ تھانیدار نے جب اس کی خبر لینی چاہی تو مولانا نے کہا اگر اس سے کچھ بھی کہو گے تو مجھے سخت تکلیف ہوگی اور بنیے سے کہہ دیا جا بھاگ جا بھاگ جا پھر مولانا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس واقعہ سے بڑا نفع ہوا، جب لوگ مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ہاتھ چومتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ مظفر حسین اللہ پاک کا تجھ پر بڑا فضل ہے کہ تجھے ان لوگوں کی نظر میں معزز بنادیا ہے ورنہ تیری حیثیت تو وہی ہے جو اس بنیے کی نظر میں تھی۔ یہ ہیں اخلاق اہل اللہ کے اور یہ ہیں تواضع کہ دل دشمنان ہم نکردند تنگ (دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا) کتاب میں تو پڑھا ہی ہوگا مگر یہ اس کی نظیریں اس زمانہ تک موجود ہیں۔

عزت کی قیمت

اب تو کسی کو ایک سخت لفظ کہہ دینے سے توہین کی نالش (۱) ہوتی ہے کہ میری ہتک عزت کی گئی ایک لاکھ روپیہ معاوضہ دلایا جائے، آج کل ان چیزوں کی بھی قیمت مقرر ہوئی ہے جو متقوم نہیں بس بات یہ ہے کہ ہر طرح روپیہ کی کمائی چاہیے، روپیہ ایسا مقصود بالذات ہوا ہے کہ ہر چیز کا عوض بن سکتا ہے عزت کا عوض بھی روپیہ ہوگیا، کیا ادنیٰ

(۱) ہتک عزت کا مقدمہ قائم ہوجاتا ہے

چیز کو عزت کا عوض بنایا حالانکہ عزت تو بے بہا چیز ہے کیونکہ وہ عظمت خداوندی کی ایک جھلک ہے اس کو بھی اہل اللہ ہی سمجھ سکتے کہ عزت کی قیمت کیا چیز ہے مگر آج کل یہ مذاق ہوگیا ہے کہ مال کو عزت کی قیمت اور عوض بناتے ہیں ایک مذاق تو یہ ہے۔ اور اہل تحقیق کا دوسرا مذاق یہ ہے کہ انہوں نے ایک اور چیز کو اس کا عوض سمجھا وہ عوض یہ ہے کہ اس سے صفت تواضع کی تکمیل ہوگئی اور اس میں یہ فائدہ سمجھے کہ پھر ان کو ہاتھ واتھ چومنے سے عجب نہ ہوگا یہ کس قدر گراں بہا چیز ہاتھ آئی، یہ نعمت ملنا کس قدر رحمت خداوندی ہے اور جب مال عزت کی قیمت بن سکتا ہے تو رحمت خدا اس کی قیمت کیوں نہیں بن سکتی۔ رحمت خدا تو بڑی چیز ہے بس دونوں مذاقوں میں فرق یہ ہے کہ آپ لوگ تو مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں وہ رحمت خدا کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کی عزت تو ایسی ہے کہ مال کی کوئی مقدار بھی اس کا عوض نہیں بن سکتی اور رحمت خدا اتنی بڑی ہے کہ قلیل جزو بھی بڑی سے بڑی عزت کا عوض بن سکتا ہے اس لیے انہوں نے اس کو کافی معاوضہ سمجھا، اس واسطے اور کوئی تدارک نہیں کیا بلکہ اور کوئی تدارک کرتے ہوئے یہ خوف تھا کہ وہ معاوضہ نہ جاتا رہے تو اب اس کی مثال ایسی ہوگی کہ ایک بچہ کے ایک پتھر ماریں پھر اس کو راضی کرنے کے لیے ایک پیسہ اور ایک اشرفی اس کے سامنے رکھیں اور اس سے کہہ دیں ان دونوں میں سے ایک لے لیں تو میں اب پوچھتا ہوں کہ اس کی عقلمندی کس صورت میں ہے جس شخص نے کبھی اشرفی نہیں دیکھی وہ تو یہ رائے دے گا کہ پیسہ لے لو کیونکہ پیسہ کام کی چیز ہے اس کی جلیبی آسکتی ہے اور اشرفی اور ٹھیکرا اس کے نزدیک برابر ہے اور جس نے اشرفی دیکھی ہے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ پیسہ لے لے۔ وہ تو یہی کہے گا کہ ایسے ایسے صدہا پیسے اور بھی دے کر اشرفی مل جائے تو مت چھوڑنا، سو آج لوگوں کی نظر پیسے پر ہے کیونکہ پیسہ دیکھا ہے اشرفی کبھی دیکھی ہی نہیں جب گریں گے پیسہ ہی پر گریں گے۔

صاحبو! رحمت خدا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں نے سلطنتیں چھوڑ دیں، پیسہ اور روپیہ کیا چیز ہے ایک خلق حسن کا حاصل ہونا بندگان خدا کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے بھی زیادہ قیمتی ہے ان کو ایک گھونسا کھانے کے بعد یہ عوض مل گیا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کو کھو دیتے اور اس سے بدلہ لے لیتے بلکہ وہ اس کے ممنون

احسان ہوئے ہوں گے، دنیا کچھ کہا کرے ان کی نظر حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو اچھی لگے وہی ان کے نزدیک اچھا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تواضع ایک صفت حسن ہے اور نہایت ضروری کیونکہ مقابل کبر کا ہے اس کو جس طرح ممکن ہو حاصل کرنا چاہیے، مبتدی کے لیے اس کی تحصیل کا طریقہ یہی ہے کہ بہ تکلف وہ افعال کیے جاویں جو عرف کے خلاف ہوں، بازار سے سودا خود خرید لایا کرو، آج کل یہ بھی امیری کا جزو ہو گیا ہے کہ اپاہج بنے بیٹھے رہو اور تکلیف اٹھاؤ مگر خود سودا خریدنے بازار نہ جاؤ اور امیر تو امیر معمولی آدمی بھی اس کے عادی ہو گئے ہیں جس کے نتائج سے خود بھی نالاں ہیں اور زیر باری کے مارے مرے جاتے ہیں اور کہتے ہیں خرچ پورا نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے مال حرام لینا پڑتا ہے۔ صاحبو! یہ کیا خرافات ہے چھوڑو ان تکبر کی رسموں کو یہ عادت خود شریعت کے بھی خلاف ہے، بازار میں جانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے خود قرآن شریف میں موجود ہے: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار جایا کرتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بازار جانے پر اعتراض کرنا مسلمانوں کا کام نہیں کیونکہ اس کو حق تعالیٰ نے مقولہ کفار کا بتلایا ہے اور کفار کی سی عادتیں اختیار کرنا اور ان کی باتیں کہنا معمولی بات نہیں کیونکہ آدمی کو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اسی کی بات پر تقلید کیا کرتا ہے اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہو چنانچہ ارشاد ہے المرء مع من احب (۲) تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے افعال کی تقلید کی جائے گی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔ اب آپ سوچ لیجئے کہ یہ معمولی بات ہے یا خطرناک ہے۔

خدا کا حق

صاحبو! اس کو معمولی بات نہ سمجھئے گو دیکھنے میں یہ ذرا سی بات ہو لیکن بہت

(۱) ''اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے'' (۲) انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت ہو۔

بڑی بات ہے۔ علاوہ تقلید کفار کے اس کا دوسرا منشا یہ ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: ’’ العظمة ازاری والكبرياء ردائي من ناز عنی فیهما قصمته ‘‘(ا) یعنی عظمت اور بڑائی میری خاص صفت ہے جو کوئی اس میں میرا شریک بننا چاہے گا میں اس کی گردن توڑ ڈالوں گا۔ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کا قصہ ہے کہ حجام خط بنانے کو آیا تو مولانا اس وقت چار پائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے، مولانا نے سرہانے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جا اس نے سرہانے بیٹھنے سے انکار کیا، مولانا نے فرمایا تُو تو کھڑا ہے تیرے ساتھ سب جگہوں کی برابر نسبت ہے پھر تو خالی جگہ میں نہیں بیٹھتا اور میں بیٹھا ہوا ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ بیٹھا ہوا اٹھوں، حجام نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ سرہانے بیٹھوں، مولانا نے فرمایا کہ پھر بھائی تو حجامت بنا بھی دے یہ تو اٹھیں گے نہیں، اب تو یہ حالت ہے کہ سرہانے بٹھانا کیسا اگر حجام السلام علیکم بھی کہے تو جوتیاں پڑیں، حجام کو سرہانے بٹھانا تو بڑوں کا کام ہے ہر شخص سے اتنا نہیں ہوسکتا مگر جن باتوں میں شریعت نے سب کو برابر رکھا ہے ان میں حدود شریعت کے اندر رہنا چاہیے جیسے سلام ومصافحہ وغیرہ کہ ان امور میں شریعت نے چھوٹے بڑے میں تفضیل نہیں کی ان میں اپنی طرف سے فرق کرنا گویا شریعت میں اصلاح دینا ہے جس کا اصل منشا تکبر ہے مثلاً جماعت میں چھوٹوں کے ساتھ کھڑا ہونے سے عار نہ کرنا بعض لوگ مسجد میں نماز اس لیے نہیں پڑھتے کہ گھٹیا لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ کیا خرافات ہے ان کو چاہیے کہ پھر اس دنیا میں نہ رہے جس میں گھٹیا لوگ آباد ہیں اور قیامت کے دن اس جنت میں بھی نہ جاویں جس میں گھٹیا لوگ غرباء جاویں گے بلکہ امراء سے زیادہ جاویں گے، کچھ حد ہے اس خودداری کی آجکل ایسا مذاق بگڑا ہے کہ ایک حکیم صاحب کے بچے نے ان کی گود میں ہم لوگوں کے آنے کے وقت کہا السلام علیکم تو اس پر اس کو سرزنش کی گئی کہ آداب عرض کہا کرو اس کا مقابلہ تو دیکھئے جی تو چاہتا ہے کہ یوں کہوں کہ خدا کی مار ہو اس تعلیم کرنے والے پر مگر خیر بجائے اس کے یہ کہتا ہوں کہ خدا

(ا) ’’عظمت میرا تہبند اور بڑائی میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اسکی گردن توڑ دوں گا‘‘

کی سنوار ہو اللہ اصلاح کرے شریعت نے صیغہ سلام میں چھوٹے بڑے میں کچھ تفضیل نہیں رکھی، ہاں لہجے میں فرق ہونا چاہیے یہ توقیر کبیر(۱) میں داخل ہے جس کی تعلیم شریعت میں ہے جس کی ایک جزئی یہ بھی ہے کہ چھوٹے بڑے کے سامنے دبی ہوئی آواز سے اور نیازمندانہ لہجہ سے بولے اور کچھ سلام ہی پر موقوف نہیں ہر قسم کے کلام میں اس کا خیال رکھے، پس جب کوئی تم سے عمر میں یا رتبہ میں چھوٹا ابتداء بالسلام کرتا ہے اور اپنے رتبہ کے مواقف نیازمندانہ لہجہ سے سلام کرتا ہے تو یہ فرق حفظ مراتب کے لیے کافی ہے اتنے فرق کی شریعت نے اجازت دی ہے اس سے آگے بڑھنا تکبر ہے اب حجام چھوٹا بنتا ہے اور نیازمندی سے سلام کرتا ہے تب بھی اس پر اعتراض ہے واللہ تکبر نے قلوب کو چرلیا۔ آج کل کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہمارے سامنے ایسے رہیں جیسے جماد محض(۱) خدا نے تو ان کو انسان بنایا اور یہ ان کو جماد بنانا چاہتے ہیں یہ تو حق تعالیٰ کے کام میں اصلاح دینا ہے حجام تو آپ کی اصلاح سے گھٹیا ہو یا نہ ہو مگر آپ اس اصلاح سے ضرور گھٹیا ہو جاویں گے اور عنداللہ شرالخلائق(۲) قرار دیئے جاویں گے، حجام کو سرہانے نہ بٹھایا نہ سہی پائنتی ہی بٹھاؤ مگر جس بات میں شریعت نے فرق نہیں کیا تو اس میں تو فرق نہ کرو بلکہ ہر جگہ چھوٹوں کو سرہانے بٹھانا مناسب بھی نہیں کیونکہ اس میں ان کا بھی نقصان ہوگا ان میں تکبر پیدا ہو جاوے گا اس سے ان کا دین بھی غارت ہوگا اور دنیا کا بھی نقصان ہوگا کہ کہیں سرہانے بیٹھنے سے پٹ نہ جاویں ہاں اگر اس کا اطمینان ہو کہ وہ سرہانے بیٹھنے سے متکبر نہ ہو جاویں گے تو مضائقہ نہیں غرض تکبر ایسا مرض ہے جس کے علاج سے غفلت نہ چاہیے یہ مرض صرف جہلاء اور عوام ہی میں نہیں بلکہ اچھے اچھے ثقہ لوگوں میں بھی موجود ہے اور اس کا علاج تواضع ہے اور اس مرض اور علاج کی ہر وقت نگرانی کرنا چاہیے۔ بعض باتیں بہت خفیف ہوتی ہیں مگر منشاء ان کا یہی ام الامراض(۳) یعنی کبر ہوتا ہے اس وقت اس کے معالجہ کے لیے کوئی صورت تواضع کی بالقصد اختیار کرنا چاہیے۔

(۱) بڑے کے اکرام میں (۲) بے جان پتھر کی طرح (۳) تمام برائیوں کی جڑ

تدابیر اصلاح

میں ہر شخص کے لیے تواضع کی تدابیر کہاں تک بتاؤں، علاج مشترک یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی محقق مبصر (۱) کے سپرد کردو اور اسکو تمام حالات کی اطلاع کیا کرو اور وہ جس موقع ومحل میں جو تدبیر کرے اس کو اختیار کرو اس طرح تواضع حاصل کرو یہ کبر ایسی چیز نہیں ہے جس سے غفلت کی جائے اللہ والوں نے اس کے علاج کے لیے بڑے مجاہدے کیے ہیں۔ مولانا اسماعیل صاحب مسجد میں سوجاتے مسافروں کے پیر دبایا کرتے تھے، صرف اسی واسطے کہ تواضع اور تذلل (۲) پیدا ہو ایک دفعہ مولانا سفر میں لشکر سے نکل کر شہر کی کسی مسجد میں جا ٹھہرے، مؤذن عام طور سے مسافروں سے جلا کرتے ہی ہیں، ان کو بھی منع کیا، مولانا نے اس کا کہنا نہ مانا اس نے دھکے دے کر ان کو نکال دیا۔ مولانا تھوڑی دیر میں پھر اسی مسجد میں آگئے، اس نے پھر نکال دیا کئی دفعہ ایسا ہی ہوا، آخر اس نے تنگ ہوکر کہا اچھا بھائی بیٹھ، تھوڑی دیر میں لشکر سے دو سوار مولانا کو ڈھونڈتے ہوئے آئے اب تو مؤذن کے ہوش خطا ہوئے اور سمجھا کہ اب پٹوں گا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں۔ مولانا نے کہا کہ ڈرمت تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا میں جاتا ہوں تجھے کھانا بھی بھجوادوں گا وہ پیروں میں گر گیا اور معافی چاہی پھر پوچھا آپ نے ایسا کیوں فرمایا، یہ میں نے اپنا علاج کیا مجھے کسی وجہ سے خیال ہوگیا تھا کہ لوگ مجھ کو بڑا سمجھتے ہیں اس کبر کا یہ علاج کیا کہ دھکے کھائے یہ اس مادہ فاسدہ کا مسہل ہوگیا (۳)۔ اہل اللہ اس طرح اس کا علاج کرتے ہیں، وہ اس کو امراض جسمانی کی طرح بلکہ اس سے بھی اشد سمجھتے ہیں، دیکھیے جو لوگ محتاط ہیں اور حفظ صحت کے شوقین ہیں وہ بلا ضرورت بھی ہر فصل میں جاڑے بخار کا علاج بطور حفظ ماتقدم کیا کرتے ہیں اسی طرح اہل اللہ نے ادنیٰ مظنہ (۴) کے موقع پر کبر کا علاج ضرور کرلیا ہے تاکہ نوبت اس کے وقوع کی آوے ہی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لادے ہوئے مسلمانوں

(۱) کسی جاننے والے عالم (۲) عاجزی (۳) اس طرح میں نے اس فاسد مادہ کا علاج کیا (۴) جب تھوڑا سا بھی تکبر کا شبہ ہوا تو علاج کیا۔

کو پانی پلاتے پھرتے تھے، پوچھا گیا کہ اے امیر المؤمنین یہ کیا ہے کہا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے میری مدح کی اس سے نفس میں انبساط (۱) پیدا ہوا اس کا میں نے یہ علاج کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کرتا پہنا، وہ اچھا معلوم ہوا تو آپ نے اس کی آستینیں بالشت بھر کاٹ دیں تا کہ عیب پڑ جائے اور بدنما ہو جائے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن سے زیادہ کامل النفس کوئی نہیں ہو سکتا ان کو اتنا اہتمام اس مرض کا تھا، اس بھروسہ پر نہ رہتے تھے کہ ہم نے تہذیب نفس کر لی ہے اور ایک دم بھی غوائل نفس سے (۲) غفلت نہ کرتے تھے ہم کس خیال میں ہیں کہ ذرا ذکر شغل کر لیا اور مطمئن ہو گئے کہ اب ہم نفس وشیطان کے کید (۳) میں نہیں آسکتے یاد رکھو جس وقت آدمی اپنے آپ کو اچھا لگتا ہے اس وقت خدا کو برا لگتا ہے یہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کی نسبت پورا اعتماد ہے کہ جنت میں ضرور جائیں گے مگر پھر بھی ان کی یہ حالت ہے کہ غوائل نفس سے غافل نہیں تھے۔ تا بما چہ رسد (ہماری تو کیا حقیقت) اگر ہم مان بھی لیں کہ کسی نے تہذیب نفس کامل ہی کر لی تب بھی اس کو بے فکر ہو جانا کیا معنی تہذیب کامل ہو جانے کے وقت وہ بے شک تندرست ہے پھر کیا تندرست ہمیشہ کے لیے تندرست رہا کرتا ہے کیا ہم کو تندرستی کے بعد بیماری نہیں آتی کیا ممکن نہیں کہ کسی وقت کامل کو بھی تکبر کا مرض پیدا ہو جائے جیسے ہم کو تندرستی کے بعد بیماری آجاتی ہے اور یہ علی سبیل التنزیل کہا جاتا ہے ورنہ ہم تندرست ہی کون سے ہوئے تھے ہمیشہ بیمار ہی رہے اور بیماری بھی ایک نہیں ہے مرض کے اندر مرض، مرض کے اندر مرض بھرے پڑے ہیں ہم تو سچ مچ گندر گند ہیں (۴)، ان امراض کی شرح کہاں تک کی جاوے بس اس کی اصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دو وہ تفصیل جانتا ہے ہر موقع ومحل پر مناسب تدبیر بتادے گا آپ کو تفصیل وغیرہ یاد رکھنے کے بارے سے سبکدوشی رہے گی، اگر کسی وجہ سے یہ میسر نہ ہو تو اس فن کی کتابیں ہی دیکھو اور متواضعین کی حکایت پڑھتے ہی رہو، یہ ہے ابتدائی علاج اس

(۱) نفس خوش ہوا (۲) ایک لحہ کے لیے بھی نفس کی طرف سے بیفکر نہیں ہوتے تھے (۳) مکر (۴) غلاظت کا ڈھیر۔

حدیث میں بصورت اخبار اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس طرح پر کہ اس پر ایک وعدہ بھی کیا گیا ہے ''من تواضع لله رفعه الله'' یعنی جو کوئی تواضع اختیار کرے اس کو حق تعالیٰ رفعت عطا فرمائیں گے اس کے یہ معنی نہیں کہ تواضع عندالشرع کوئی مطلوب چیز نہیں اگر کسی کو رفعت کی خواہش ہے تو وہی اس کو اختیار کرے بلکہ اس کا واقعی نتیجہ بتلایا گیا ہے رہا تواضع کا مطلوب اور مامور بہ ہونا وہ بجائے خود ثابت شدہ چیز ہے، ثمرات کا بیان اس واسطے کیا جاتا رہا ہے تاکہ اس سے زیادہ شوق پیدا ہو، مطلب یہ کہ قطع نظر اس کے ضروری ہونے سے اگر رفعت چاہتے ہو تو وہ بھی اسی سے پیدا ہوگی۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزت شو کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا(۱)

پس اگر رفعت کی تحصیل کی خواہش ہے تو اس کی تدبیر بھی تکبر نہیں ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اس کی تدبیر بھی یہی ہے تواضع اختیار کرو مگر اللہ کی قید بھی یاد رہے کہ اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرو نہ بقصد شہرت و رفعت دے گا۔ یہ حدیث کا وعدہ ہے اور حدیث میں دنیا و آخرت کی بھی قید نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں جگہ رفعت نصیب ہوگی۔ ذوقی نے خوب کہا ہے:

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا آسمان آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

(اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والے کو دنیا میں بھی بڑائی دیتا ہے اور آخرت میں تو ہے ہی'' چنانچہ دنیا میں تعریف ہوتی ہے کہ فلاح شخص بڑے منکسر المزاج ہیں اپنے آپ کو کھینچتے نہیں ہر شخص سے لچے جاتے ہیں اور جب اس میں بناوٹ نہیں دیکھتے تو اس کی محبت اور وقعت قلوب میں ایسی پیدا ہوجاتی ہے کہ بڑے سے بڑے حاکم اور بادشاہ کی بھی نہیں ہوسکتی، کوئی اس کا مخالف نہیں رہتا، ہر شخص کو اس کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے پھر ایسے شخص کی زندگی کیسی اچھی زندگی ہوگی چونکہ اس مضمون کی عام ضرورت تھی اس واسطے بیان کیا گیا (یہاں پہنچ کر عصر کی اذان ہوئی تو سکوت کیا اور فرمایا میں بیان کو دو منٹ میں ختم کرتا ہوں) بعد اذان فرمایا میں بیان ختم کر چکا صرف نام رکھنا باقی ہے اس وقت

(۱) ''اگر تجھ کو شہرت کی ہوس ہے تو گوشہ نشینی اختیار کر اس لیے کہ گوشہ گیری نے عنقا کے نام کو مشہور کر دیا''

تحصیل رفعت کا طریقہ بیان ہوا ہے اور مقام کا نام قنوج ہے تو وعظ کا نام رفعت قنوج ہونا چاہیے تھا مگر لفظی رعایت کے لیے رفعت کا ترجمہ اوج کر دیا جائے تو اوج قنوج کا نام مناسب ہے اور راز اس نام میں یہ بھی ہے کہ قنوج اس وقت بہت پستی کی حالت میں ہے حالانکہ کسی وقت بہت بڑی جگہ تھی۔

اور اس پستی کی تمام تر وجہ نااتفاقی ہے اور نااتفاقی کی وجہ کبر ہے اور ظاہر ہے کہ علاج بالضد ہوا کرتا ہے کبر کی ضد تواضع ہے جس کا آج بیان ہوا، کبر کا اختیار کرنا باعث ہوا پستی کا تو اس کے ضد کا اختیار کرنا باعث ہوگا رفعت کا تو اس بیان پر عمل کرنا باعث ہے اوج ورفعت کا، زمانہ کے عقلاء ترقی کی دھوم مچاتے ہیں اور اس کی صورتیں سکھلاتے ہیں، مگر ترقی کی جڑ نہیں سکھلاتے وہ جڑ تواضع ہے جس پر اس وقت مفصل بحث ہوئی۔ لہٰذا اوج قنوج نام رکھا جاتا ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم دین اور عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

خلاصہ وعظ

"من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ"(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی ورفعت عطا فرماتے ہیں امراض بہت ہیں جن کی تفصیل دشوار ہے مگر ام الامراض کبر ہے اس کا علاج اس حدیث میں ہے۔ یہ حدیث اس واسطے اختیار کی گئی ہے کہ یہ مرض عام ہے ہر قسم کے لوگوں میں حتی کہ اہل علم میں بھی یہاں تک کہ بعض اپنے جہل پر قرآن وحدیث سے شہادت لاتے ہیں۔ مثلاً قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (آپ کہئے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہوسکتے ہیں) ان کو وہ آیات واحادیث بھی یاد کرنی چاہئیں جو عالم بے عمل کی مذمت میں وارد ہیں علاوہ برایں کسی عامی کو بھی حقیر سمجھنا

چہ معنی تا یار کراخواہد ومیلش بکہ باشد

(یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میل کس کی طرف ہوجاتا ہے)

(۱) "کنز العمال: ۵۷۳۰، مشکوۃ المصابیح: ۵۱۱۹، مجمع الزوائد: ۸/ ۸۲

شبہ کیا خدائے تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں اس طرح تو نیکوکار اور بدکار سب برابر ہوجاتے ہیں اور وعدہ وعید کوئی چیز نہ رہا حالانکہ نصوص اس کے خلاف ہیں جواب وعدہ اور وعید صحیح ہیں لیکن اعمال اگرچہ آپ کے ارادہ پر ہیں تاہم ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہی خوف کی وجہ ہے وعدہ اور وعید پر یقین چاہتے اور قدرت ارادہ سے خود (جیسا کہ ایک پابند قانون حاکم کے سامنے جانے سے خوف ہوتا ہے) ناز وانداز انکشاف وعظمت خداوندی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہمارے اعمال حق تعالیٰ کے سامنے کیا ہیں علاوہ ازیں ناز مکتسب چیز پر ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کسی درجہ میں مکتسب سہی (۱) مگر درحقیقت علت ان کی مشیت حق ہے۔ ایک بزرگ نے ذکر اللہ کرنا چاہا مگر نہ کرسکے یاد آیا کہ جوانی میں ایک کلمہ بیہودہ زبان سے نکلا تھا یہ اس کی سزا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید ایک امرد پر نظر کرنے سے قرآن مجید بھول گیا جس کو علم پر ناز ہو وہ اس آیت کو یاد کرے جو حضور ﷺ کے واسطے ہے: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (۲) غرض مختلف طریقوں سے کبر قلوب میں موجود ہے اور یہ مرض ام الامراض (۳) ہے تمام عیوب اسی سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً غصہ حتی کہ بعض وقت زبان سے ظاہر ہونے لگ جاتا ہے چنانچہ بعض آدمی کہنے لگ جاتے ہیں تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں ایک بزرگ نے کہا کہ جانتا ہوں ''اولك نطفة مذره واخرك جيفة قذره وانت بين ذلك تحمل العذره'' (۴) اور یہ واقعی بات ہے غلاظت سے کسی کا پیٹ بھی خالی

(۱) ہمارے اعمال اگرچہ ہمارے کسب سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان کا حقیقی وجود اللہ کی چاہت پر مبنی ہے (۲) ''یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعۃً سلب کرلیں پھر آپ کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا، بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے'' سورۃ الاسراء: ۸۶، ۸۷ (۳) سب امراض کی جڑ (۴) ''تُو تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہوجائے گا اس کے درمیان یہ حالت ہے کہ نجاست کو پیٹ میں لیے پھرتا ہے''

نہیں، حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اس کو مستور کر دیا ہے، مرض گندہ دہنی میں اس مستوری کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

تفریع بر گندہ دہنی

دین کے حقیقت شناس دو گروہ ہیں فقہاء اور صوفیاء۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس مریض سے جماعت کو ایذا ہو وہ نماز علیحدہ پڑھ لے، تکثیر جماعت مہتم بالشان ہے اسی کی ضرورت سے امام کی صفات میں یہاں تک لکھا ہے کہ خوبصورت بیوی والا بھی گو نہ ترجیح کے قابل ہے اور مقتدی کو لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجذوبہ کو طواف سے منع کر دیا تھا، حق تعالیٰ نے حیات میں پردہ ڈھکا ہے اور بعد موت بھی جنازہ کی تجہیز و تکفین میں تعجیل اور خوشبو لگانے میں یہی حکمتیں ہیں۔ ایک نفع اس تعجیل میں یہ بھی ہے کہ مردے سے نفرت نہ ہو کہ وہ ایصال ثواب سے مانع ہو جاوے اس سے یہ بات بھی نکلی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کے دماغوں کی حفاظت کی ہے تو ان کو جہنم میں کیسے چھوڑ دیں گے اگر ہم کو اپنی گندہ حالت یاد رہے تو کبھی تکبر نہ آئے، اگر ویسے یاد نہ رہے تو ایک سہل مراقبہ روزمرہ کا یہ ہے کہ پاخانہ میں بیٹھ کر اپنی حالت کو دیکھا کیجئے، اس وقت کی ہیئت میں غور کیا کیجئے، اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں، اگرچہ بعض لوگ پاخانہ میں دلچسپی کا سامان لے جاتے ہیں یعنی اخبار دیکھتے ہیں خیر ان کی سزا یہی ہے کہ پاخانہ میں بند رہیں۔ آپ بجائے اس شغل دلچسپی کے اپنی حالت کا مراقبہ کیا کیجئے کہ یہ کیا ہیئت ہے اور ٹانگوں کے بیچ میں سے کیا نکل رہا ہے یہ بات ہے تو بیہودہ مگر کار آمد اس قدر ہے کہ حق تعالیٰ نے الوہیت مسیح کی نفی پر آیت ''كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ'' (وہ دونوں کھانا کھاتے تھے میں اسی استدلال کی طرف اشارہ کیا ہے) غرض اپنی اس حالت کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ جو شخص دن میں دو تین مرتبہ نجاست میں مبتلا ہوتا ہے وہ کیا بڑا ہے اگر پانی پیدا نہ ہوا ہوتا تو ہر

وقت سنے ہی رہتے۔ (اگرچہ سنا رہنا بھی بعضے بھدی مذاق (۱) والوں کے نزدیک عیب نہیں رہا جیسا فیشن والوں میں مشاہدہ ہے کہ کاغذ سے استنجاء کرتے ہیں جس سے صفائی نہیں ہوسکتی اور ان کی پتلونیں سنی ہوئی ملتی ہیں پھر ٹب میں بیٹھ کر نہاتے ہیں اور وہ نجاست منہ تک میں جاتی ہے۔ طریقہ سنت چھوڑنے کی سزا یہی ہے پس جب ہمارے اندر یہ گندگیاں بھری ہوئی ہیں تو کیا بڑائی اور کس بات پر غصہ آوے اور غصہ خود بھی بری چیز ہے غصہ کے نتائج یہ ہیں کہ اگر قدرت انتقام ہو تو ظلم ورنہ کینہ اور حسد اور ایذا رسانی پھر مکر وفریب غرض یہ غصہ کبر کی فرع ہے تو کبر کا قبح اس سے زیادہ ظاہر ہو گیا اسی کبر کے باب میں اور قرآن شریف میں ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ'' (۲) اور ''اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ'' (۳) یہ تین لفظ اس واسطے ہیں کہ کبر قلبی کبھی تہذیب کی وجہ سے مخفی رہتا ہے اس کے واسطے لفظ مستکبرین ہے اور تہذیب کی کمی سے اس کا ظہور ہونے لگتا ہے پھر اگر زبان سے ظہور ہو تو اس کی نسبت لفظ فخور ہے اور اگر صرف افعال سے ہو اس کے لیے مختال ہے فیشن بنانا بھی مختال میں داخل ہے۔ اس تکبر پر وعیدیں بہت ہیں مگر اس آیت میں لا یحب آیا ہے یہ بھی کچھ کم نہیں بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ تمام وعیدوں کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے اور اس میں بجائے یبغض کے لا یحب فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جملہ کاموں میں تین مرتبے ہیں، پسند ہونا اور پسند نہ ہونا اور گو برابر بھی نہ سمجھا جائے اور برابر سمجھنا ظاہر ہے کہ کبر قسم اول کا عمل تو یہ ہے نہیں اور قسمیں اخرین (۴) میں سے بھی اخیر کا ہے مگر اس کے واسطے بجائے یبغض کے درمیانی قسم کا لفظ یعنی لا یحب فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ محب خدا کو تیسری قسم کے لفظ سنانے کی نوبت بھی نہیں آسکتی، درمیانی لفظ بھی اس کے مرجانے کے لیے کافی ہے، دیکھئے حکام کی نظر پھری ہوئی دیکھ کر اہل کاروں پر کیا گزر جاتی ہے اور محبّ خدا ہر مسلمان ہے خواہ وہ کیسا ہی عاصی اور گناہ گار کیوں نہ ہو اس محبت کا ظہور عوام سے بھی جانبازی کے وقت

(۱) بدذوق لوگوں کے لیے (۲) ''اللہ تعالیٰ متکبر شیخی باز کو پسند نہیں کرتے'' (۳) ''اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے'' (۴) آخری دو قسمیں

ہوتا ہے کہ خواص سے بھی زیادہ کام کر جاتے ہیں تو مسلمان کے لیے لا یحب انتہائی لفظ ہے کیا بلاغت ہے اور ہر مسلمان کو جو میں نے محبّ خدا کہا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اول حق تعالیٰ کو عبد سے محبت ہوتی ہے پھر اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عبد کو حق تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے اور اس اولیت کی دو دلیلیں ہوتی ہیں ایک نقلی ایک عقلی، نقلی تو یہ ارشاد: ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ'' (ہم نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ چاہیں) تو اول ادھر سے توجہ ہوئی اور عقلی اس طرح کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ حق تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی نمونہ ہے ''لیس کمثلہ شیء'' (اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے) اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ انسان میں محبت خدا ضرور ہے تو ضرور وہ بارادہ وتوجہ باری تعالیٰ ہوئی یہاں سے اہل ظاہر کا بھی جواب ہو گیا، انہوں نے محبت خدا کا انکار کیا ہے، بدلیل مذکور یعنی وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی مماثل ومشابہ ہے نیز اس واسطے کہ محبت نام ہے خاص تعلق کا جو موقوف ہے طرفین کی مناسبت پر اور ممکن اور واجب میں مناسبت نہیں تو ان کی محبت کیسے ہو سکتی ہے جواب یہ ہوا کہ محبت محال جب ہی ہے کہ بندہ کی طرف سے مانی جاوے اور جبکہ حق تعالیٰ کی طرف سے مانی جاوے تو محال نہیں تو قدرت کے سامنے کوئی چیز محال نہیں اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ سے محبت بھی انہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے اس کا شاہد یہ ہے کہ مرید کو اتنا تعلق نہیں ہوتا جتنا انکو ہوتا ہے غرض محبت حق بندہ کی غذا ہے تو اس کی ضد یعنی بغض تو بہت دور ہے بندہ کے مرجانے کے لیے تو عدم محبت ہی کافی ہے جو ترجمہ ہے لا یحب کا جیسے مرنے کے لیے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھایا جاوے بلکہ منع غذا بھی قاتل ہے۔ یہ بیان ہے لا یحب کے انتہائی لفظ ہونے کا پس جبکہ کبر مبغوض ہوا تو اس کی ضد یعنی تواضع محبوب (۱) اور محمود ہوئی نیز تواضع علاج بھی ہے کبر کا اس وجہ سے بھی ضروری ہے مگر تواضع کے معنی سے لوگ علی العموم ناواقف ہیں جہلاء تو خاطر داری کو کہتے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ اکثر تو لفظ تک بھی صحیح نہیں جانتے اور جو جانتے بھی ہیں وہ تصنع اور جھک جھک کر سلام کرنے کو سمجھتے ہیں حالانکہ تصنع تواضع نہیں بلکہ درحقیقت تکبر ہے جو ضد ہے تواضع کی، تواضع کے

(۱) کبر ناپسند ہے تو تواضع پسند ہوگی۔

حقیقی معنی پستی اور انکساری اختیار کرنا نہ صرف ظاہراً بلکہ قلب سے اسی لیے متواضعین جھک جھک کر سلام نہیں کرتے بلکہ کوئی ان کی مدح کرے تو اس پر بھی انکار نہیں کرتے تاکہ وہ خود ان کو بے حس یا مغرور سمجھ کر خاموش ہوجائے نہ نئے مذاق کی طرح کہ مدح کرنے پر شکریہ کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے ہی مدح کیا کرو اور اسی کا مستحق ہوں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کا یہی معمول تھا کہ مادح کے مدح پر خاموش ہوجاتے گویا متکبر ہیں کہ مدح پر انکار نہیں مگر تکبر کا نام ونشان نہ تھا ایک بار آموں کو دعوت میں سے سر پر رکھ کر بے تکلف لے آئے مگر اب تکبر کا نام وضع داری رکھا ہے جو حدود شرعیہ کے اندر مستحسن ہے لیکن اکثر وضاع کی بناء اس وقت کبر پر ہے تاوقتیکہ مولانا کی طرح اصلاح نہ کرلی گئی ہو مگر آج کل خود اصلاح اخلاق ہی کی طرف توجہ نہیں ہے حالانکہ بزرگوں نے اس کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کرایہ کی بہلی میں سے صرف اسی لیے اتر پڑے کہ وہ رنڈی کی تھی لیکن دل شکنی کے خیال سے اس کو واپس نہ کیا اور کرایہ دیا یہ ہے حقیقی دین باقی کتابوں سے صرف ضابطہ کا دین آتا ہے اور ایسا حقیقی دین کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے بلکہ جوتیاں کھانے سے آتا ہے چنانچہ اہل اللہ تمام اخلاق کی تکمیل کرتے ہیں تقویٰ کے ساتھ دل شکنی بھی نہیں کرتے نیز نرمی کے ساتھ کام لیتے ہیں مگر جبکہ اصلاح بغیر سختی کے نہ ہوسکے اس وقت سختی بھی کرتے ہیں ان ہی مولانا مظفر حسین صاحب نے نرمی سے ایک پہلوان کو نمازی بنادیا، ان ہی بزرگوں نے ایک رئیس کو بے وضو نماز کی صورۃ اجازت دی مگر وہ ان کی برکت سے باوضو پڑھنے لگا تو غیروں پر سختی نہ کرنا چاہیے ہاں جس پر حکومت ہو اس پر باضرورت مضائقہ نہیں یہی اخلاق ہیں جن سے اسلام پھیلا ہے نہ بزور شمشیر کیونکہ شمشیر زنی کے لیے شمشیر زن کہاں سے آئے تھے اسی اخلاق سے واقعات اس کے شاہد ہیں جن سے اسلام پھیلا ان کی یہ حالت تھی کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر بادشاہ کی تصویر کی آنکھ کے بدلے صلح کی بناء پر اپنی آنکھ پھوڑوانے کے لیے تیار ہوگئے حالانکہ کفار پر غالب تھے بس ان اخلاق سے اسلام پھیلا ہے نیز شمشیر سے رفع شر ظاہر ہوتا ہے نہ کہ اصلاح قلبی اور اسلام نے اصلاح کی ہے نیز اگر اسلام بزور شمشیر کسی سے قبول بھی کروالیا جائے تو اس کو بقا

کس چیز سے ہوسکتی ہے سوائے حقانیت کے وہ حقانیت اخلاق ہی سے قلب میں گھستی ہے۔ ان ہی مولانا کی تواضع کی یہ حالت تھی کہ ایک بوڑھے کا بوجھ اپنے سر پر رکھ کر گاؤں تک پہنچادیا اور ایک بنیے کی سختی پر صبر کرلیا جس نے ایک شبہ میں سختی کی تھی اور باوجود قدرت انتقام کے کچھ بھی نہ کہا بلکہ خوش ہوئے کہ اب مجھ میں مصافحہ میں ہاتھ چومے جانے کے وقت عجب پیدا نہ ہوگا اسی سختی کو یاد کرلوں گا غرض تواضع کی ایک صفت حسنہ ہے جو کبر کا مقابل ہے اس کی تحصیل کی تدبیر کرنی چاہیے، بازار سے خود سودا خرید لایا کرو اور نفس کو عار ہو تو سر پر لادو امیروں کی طرح اپاہج مت بنو تا کہ تکبر نہ پیدا ہو اور اس سے دنیوی ضرر بھی تو ہے چنانچہ تکبر کے آثار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خرچ بڑھتا ہے اور مال حرام کمائی کی ضرورت پڑتی ہے جو دنیا میں بھی مضر ہے اور تواضع کی جو تدبیر اوپر بتلائی گئی کہ بازار سے سودا لے آیا کریں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر اعتراض کفار کا کام ہے: قال اللّٰہ تعالیٰ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (۱) اور ان باتوں میں کفار کی تقلید کرنا صرف صورت معاشرت ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ محبت کی دلیل ہے اور بموجب حدیث المرء مع من احب قیامت میں کفار کے ساتھ ہونے کا اندیشہ ہے غرض کبر کے احتمال سے بھی بچے، خواہ وہ ظاہر میں چھوٹی سی بات ہو، بعضی چھوٹی بات کا منشاء بھی کبر ہوتا ہے۔ مولانا محمد مظہر صاحب خط بنوانے کے لیے پائنتی سے سرہانے کو نہ بیٹھے، آخر حجام نے اس طرح بنایا اگر ہم سے یہ نہ ہوسکے تو حدود شریعہ کے اندر رہنا چاہیے اور کبر کے سبب ان باتوں میں تو فرق نہ کرنا چاہیے جن میں شریعت نے چھوٹے بڑے کو برابر رکھا ہے جیسے لفظ سلام یا جماعت ہاں لہجہ میں فرق ہونا چاہیے کہ چھوٹے نیاز مندی کے لہجہ سے سلام کریں اور بڑے ان کو حقیر نہ سمجھیں لیکن ان کی مصلحت سے ان کو ان کی حد سے بھی نہ بڑھادیں چنانچہ چھوٹوں کو بعض وقت سرہانے بٹھانے میں ان کی دنیاوی اور دینی مضرت ہے، دنیوی تو یہ کہ کہیں پٹ نہ جائیں گے اور دینی یہ کہ وہ متکبر ہوجائیں گے، غرض تکبر نہایت سخت مرض ہے اور علاج اس کا تواضع ہے تواضع کی تفصیلی تدابیر کی ہمت نہ ہو تو یہ

(۱) ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے''

مشترک علاج کرلے، بڑے بڑے مجاہدے کیے ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید مسافروں کے پیر دباتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسجد میں باوجود دھکے کھانے کے پڑے رہے اور فرمایا کہ یہ مادہ کبر کا مسہل تھا(۱) اور مبتلاء کو تو علاج ضروری ہی ہے، غیر مبتلاء کو بھی بطور حفظ صحت کبر کا علاج چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کے لیے مشک بھر کر پانی پلایا، حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسی لیے کرتہ کی آستینیں پھاڑ دی اور حدیث من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ میں بجائے صیغہ امر کے طور پر اخبار ووعدہ حکم کیا گیا ہے کیونکہ ایسے وعدہ سے ہمت ہوتی ہے اور رفعت موعودہ تواضع کا لازمی نتیجہ ہے(۲) سو اگر کسی کو رفعت ہی مطلوب ہو اس کے حصول کے لیے بھی تواضع چاہیے مگر للہ کی قید بھی یاد رہے(۳) اور حدیث میں وعدہ رفعت کے ساتھ دنیا یا آخرت کی قید نہیں اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ رفعت ہوگی اور مشاہدہ بھی ہے کہ متواضع سے ہر شخص کو محبت ہوتی ہے اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہوتا تو اس کی زندگی بہت اچھی ہوتی ہے۔

استغناء وتواضع (۴) کو جمع کرو اور تذلل وتکبر (۵) سے بچو، جب مال وحب جاہ (۶) کو چھوڑو اور لباس اور وضع کے فضول تکلفات کو جو کہ حب جاہ سے ناشی ہوتے ہیں (۷)، قطع کرو، مدارس عربیہ میں اخلاق کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ضرور داخل درس کی جائے اور تعلیم کے بعد کسی بزرگ کی صحبت بھی ضروری ہے۔ (۸)

---

(۱) تکبر کا علاج ہے (۲) تواضع کا لازمی نتیجہ ہے کہ جس بلندی کا اللہ نے وعدہ کیا ہے وہ مل جائے (۳) من تواضع للّٰہ میں جو قید ہے یعنی تواضع اللہ کی رضاء کے لیے ہو (۴) بے نیازی اور انکساری کو جمع کرو (۵) اپنے کو ذلیل کرنے اور تکبر سے بچو (۶) مال و اقتدار کی محبت کو چھوڑو (۷) اقتدار کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں (۸) اللہ تعالیٰ اسی وعظ سے ہم سب کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاھور

۱۔ ۲۲ نومبر ۲۰۱۹ء کو منصورہ میں ایک عالمی محفل قرأت منعقد ہوئی جس میں حضرت قاری احمد میاں صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے خصوصیت سے شرکت فرمائی اور اپنی خوبصورت آواز میں تلاوت فرما کر لوگوں کو محظوظ فرمایا۔

۲۔ ۱۱ ربیع الاول کو حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب نے پنجاب کالج پنڈی میں مسابقہ حسن قراءت کی ججمنٹ کے فرائض سرانجام دیے۔ ۱۴ نومبر کو قرآن بورڈ پنجاب کی میٹنگ میں شرکت فرمائی اور ۲۳ نومبر کو رحیم یار خان میں محفل قراءت میں شرکت فرمائی۔ ۲۷ نومبر کو جامعہ فاروقیہ کراچی میں مسابقہ حسن قراءت کی ججمنٹ فرمائی۔

۳۔ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کے پنجاب بورڈ کے امتحانات کے لیے طلباء کے داخلے جارہے ہیں ۶ دسمبر آخری تاریخ ہے امسال نویں کلاس میں ۱۱۰ طلباء شریک امتحان ہیں جن میں ۷۰ سائنس اور ۴۰ آرٹس کے ہیں۔

میٹرک کے امتحان میں ۸۰ طلباء شریک ہوں گے ۵۰ سائنس اور ۳۰ آرٹس کے۔

۴۔ حضرت تھانویؒ کی شہرہ آفاق تفسیر ''احکام القرآن'' کی چھٹی جلد ترتیب جدید کے ساتھ کمپوزنگ وتخریج کے مراحل مکمل کر کے طباعت کے لئے جا چکی ہے جو

بہت جلد بحمد اللہ تعالی قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔ پہلی طباعت میں کمپوزنگ کی کچھ اغلاط رہ گئی تھیں اور طباعت بھی قدیم طرز کی تھی لہٰذا اس کو جامعہ کے تحقیقی ادارہ ''ادارہ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ'' کی جانب سے دوبارہ طبع کیا جارہا ہے۔ادارے نے اپنے طور پر کئی علماء کو تصحیح کے اہتمام پر مامور کرنے کے بعد پورا مسودہ مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا حضرت مفتی صاحب نے غایت شفقت فرماتے ہوئے اس مسودے کا مطالعہ فرما کر تصویب فرمائی جن دو تین مقامات میں کمپوزنگ کی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی اصل کتب سے ملا کر ان کی تصحیح کردی گئی ہے۔

احکام القرآن کی ترتیب حسب ذیل ہے:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اعلاء السنن کے طرز پر قرآن کریم کی ایک ایسی جامع تفسیر تحریر کی جائے جس میں فقہ حنفی کے تمام مسائل کا استنباط واستخراج قرآن کریم کی آیات سے کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے آپ نے ایک طریقہ کار وضع فرما کر اپنے شاگردوں اور متعلقین میں سے ان چار اکابر فقہاء ومفسرین کا انتخاب فرمایا!

(1) حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

(۲) حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

(۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

(۴) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

قرآن کریم کی منازل سبع کے احکام کی تالیف کو ان پر اس طرح تقسیم فرمایا۔ پہلی دوسری

منزل علامہ ظفر احمد عثمانی۔ تیسری چوتھی مفتی جمیل احمد تھانوی۔ پانچویں چھٹی مفتی شفیع دیوبندی۔ اور ساتویں مولانا ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ کے ذمہ لگائی۔

ان حضرات کو حضرت تھانویؒ نے یہ حکم دیا کہ فقہ اصول فقہ، ادب اخلاقیات ہدایت وارشاد سے متعلق جو بھی مسئلہ جس آیت سے مستنبط ہوتا ہو لکھا جائے۔ خاص طور پر ایسے جدید مسائل جو فقہائے متقدمین کی تفاسیر میں نہیں ملتے ضرور لکھیں۔

الحمد للہ تمام حضرات کا کام مکمل ہو چکا ہے ۱۸ جلدوں میں سورۃ فاتحہ سے سورۃ الناس تک تفسیر مکمل ہوگئی جس میں چھ ہزار سے زائد فقہی مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔

۵۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کا چوبیسواں (۲۴) وعظ ''حقیقت میلاد'' طبع ہو کر ادارہ اشرف التحقیق میں آچکا ہے، شائقین ادارہ میں حافظ ابوذر تھانوی صاحب سے وصول کر سکتے ہیں۔

اس وعظ میں حضرتؒ نے میلاد النبی کی حقیقت کو بیان فرمایا کہ صرف بارہ ربیع الاول کو مجلس منعقد کر کے چند افراد کا اس مجلس میں نعتیں پڑھنا اور بقیہ کا ان نعتوں کو سن کر دعویٰ محبت نبی کرنا درست نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر حقیقی محبت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت لازمہ ایمان ہے اس لئے میلاد النبی کے منانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کر کے اپنے عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگا جائے تب صحیح معنی میں میلاد النبی ہوگا۔

۶۔ ناچیز کی مرتب کردہ آسان نماز ''بطاقۃ الصلوٰۃ'' کی دوسری طباعت بھی

مکمل ہوگئی ہے، ادارہ میں موجود ہے وہاں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

۷۔ رواں ماہ جامعہ کے طلباء نے فترہ اولی کے امتحانات میں اعلی کارکردگی کا مظاہرہ کیا دینی و دنیاوی ہر دو میدانوں میں جامعہ کے طلباء کی کارکردگی بحمداللہ تعالی اطمینان بخش ہے۔اور اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ آئندہ بھی جامعہ کے طلباء کو دین و دنیا کے ہر میدان میں کامیابیاں نصیب ہوں۔

۸۔ گذشتہ ماہ جامعہ کے طلباء کے لئے خصوصی طور پر مولانا ڈاکٹر اشرف علی فاروقی صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے ایک کورس کا انعقاد کیا گیا ہے جس میں اسلامی بینکاری اور تمویلی طریق کار کی وضاحت کی گئی۔ اس کورس کے لئے سینچری انشورنس کمپنی، فیصل اسلامک بینک اور مسلم کمرشل بینک کے نمائندوں نے IHIC کے دفتر میں جامعہ کے چند طلباء کو ٹریننگ دی۔